لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حقیقتِ ایمان

مُصنّفہ :

قاضی زین العابدین ہلوی پاکستانی

(ایمان مسلمین کی اصلاح کے لئے یہ کتاب مفت تقسیم کی گئی)

اِنتسابِ کتاب ہٰذا

مَیں اِس کتابچہ کو مرشدی و مولائی علاّمہ حضرت قبلہ عبد السّلام رحمۃ اللہ علیہ و بہٖ علینا کی طرف منسوب کرتا ہوں کہ جناب والا کی رُوحانی توجہ کاملہ نے اِس مُشتِ خاک کو تصنیفِ کتاب ہٰذا کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ حَوْلِیْ وَقُوَّتِیْ اِلٰی حَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَاَسْئَلُكَ الرَّشَادَ۔ اَنَا تُرَابُ اَقْدَامِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ الْکِرَامِ

قاضی زین العابدین دھلوی

فہرستِ مضامین کتاب حقیقتِ ایمان

وجہ تصنیفِ کتاب ہٰذا

نزولِ قرآن اور بعثتِ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چودہ ۱۴ سو سال گذر گئے اِس عرصہ میں عالمِ اسلام پر ہزارہا بلائیں آئیں مگر ائمہ مجتہدین، صلحائے ملّت اور علمائے حق نے ہر فتنے، ہر گمراہی اور ہر آزمائش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اسلام کی صداقت وعظمت کا عَلَم ہمیشہ بلند رکھا، کفر و باطِل کی طاقتوں کو اپنے ایمان و اخلاق کی طاقت سے شکست دی اعتراضات و شبہات کے دندان شکن جوابات دیئے اور کسی حال کسی مقام میں بھی حق پر آنچ نہ آنے دی۔

اُنھیں بزرگانِ دین اور مجاہدینِ حق و صداقت کی جلیل القدر خدمات اور زبردست قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی تمام حقیقیں و صداقتیں آج بھی روشن ہیں، دنیا کے ہر حصّے اور خطّے میں مساجد اور خانقاہوں و مدرسوں کے ذریعہ اسلام زندہ و تابندہ ہے۔ یہ مشیتِ الٰہی کی کارفرمائی اور اُسکی قدرت کا شاہکار ہے۔ اگر دنیا میں اللہ والے نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ ان کی تائید و نصرت نہ فرماتے تو اسلام تو بہرحال اسی طرح قائم و برقرار رہتا مگر مسلمان کبھی کے مٹ گئے ہوتے۔ یاد رہے اللہ والوں نے باطِل کی طاقتوں کا مقابلہ

فاتحوں، غازیوں اور بادشاہوں کی طرح مادّی طاقت سے نہیں بلکہ اخلاق و رُوحانیت کی طاقت سے کیا۔ جبھی تو باجبروت بادشاہوں کو اُن کے غلاموں کی جوتیوں میں جگہ ملتی تھی۔

ایک طرف تو اولیاء اللہ کا ایمان قوی تھا دوسری طرف مسلمانوں کے ایمان بھی اِس زمانے کے مسلمانوں سے مضبوط تھے اس لئے کوئی فتنہ، کوئی گمراہی اور باطِل کی کوئی طاقت مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

مُسلمانوں پر فتنوں کی بارِش اور ایمان کی کمزوری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئیوں کے مطابق عالِم اسلام پر فتنوں کی بارش ہوئی۔ اندرُونی فتنے بھی اٹھے اور بیرونی فتنے بھی بپھرے اور باطِل کی چھائی ہوئی طاقتیں مسلمانوں کی سیاسی قوت کو توڑنے، ان کی شوکت و عظمت کا پرچم سرنگوں کرنے، اُن کے ممالک کے حصّے بخرے کرنے اور اُن کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں خاطر خواہ کامیاب ہوگئیں، یہ مسلمانوں کو اُن کی غفلتوں، کمزوریوں اور بداعمالیوں کی سزا ملی۔

تاہم ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی باطِل نظام نے خود مسلمانوں ہی کے ذریعہ کسی اسلامی ملک میں اپنا قبضہ جمایا ہو، مگر یہ روزِ بد دیکھنا بھی مسلمانوں کی قسمت میں لکھا تھا کہ آج سات اسلامی ملکوں میں سوشلسٹوں کی حکومتیں مسلمانانِ عالم کی

چھاتی پر مونگ دَل رہی ہیں۔ کمیونزم اپنے نام اور اپنے فلسفے کے زور واثر سے کسی اسلامی ملک میں ہرگز ہرگز قدم نہ رکھ سکتا تھا۔ اس میں اتنی کشش اور اتنا زور ہی نہ تھا کہ مسلمان کمیونزم کا شکار بن جاتے۔ مگر نام نہاد مسلمان اور بعض اسلام ناآشنا سیاسی لیڈر دانستہ یا نادانستہ طور پر سوشلزم کے نام پر فدا ہوگئے اور اس چور دروازے سے کمیونزم، چین اور رُوس ان کے دل و دماغ میں گھس گئے۔

بس اس صورتِ حال نے مسلمانانِ عالم کو اسلام اور سوشلزم کی نظریاتی جنگ کی آگ اس بُری طرح لگائی ہے کہ اس میں ہمارا دین و اخلاق بھسم ہو رہا ہے اور مسلمان ہی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اِس جنگ کا انجام کیا ہوگا؟ اور یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

اس میں بنیادی طور پر تو کفار و منافقین کی ملی بھگت اور اسلامی دشمنی کا دخل ہے۔ ثانوی حیثیت سے ہمارا بھی قصور و فتور ہے۔ ہمارے ایمان اس درجہ ضعیف و کمزور ہو گئے ہیں کہ اللہ کے دین کی حفاظت و اشاعت اور مسلمانوں کی بہتری و برتری کے لئے جان کی بازی نہیں لگا سکتے اور کفار و ملحدین کی طرح بڑھ چڑھ کر جان و مال کو قربان نہیں کر سکتے۔ عبادات کی ادائیگی میں سُستی و کاہلی نہیں بلکہ آزادی و لاپرواہی ہے، اخلاق و معاملات ہمارے گندے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اہلِ حق فتنوں کی روک تھام اور اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لئے بھی متحد و منظم نہیں۔ جوں جوں

حضور پرنور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک ومقدس زمانے سے بُعد ہوتا جارہا ہے ہمارا اخلاقی وسیاسی زوال بڑھتا جارہا ہے۔

روٹی کیلئے ایمان قربان کیا جارہا ہے

اِس سے زیادہ دردناک اور جگرخراش حقیقت کیا ہوسکتی ہے کہ عوام کی کثیر تعداد کو خود غرض اور مکار لوگوں نے روٹی کے نام پر گمراہ کر رکھا ہے۔ وہ علمائے حق اور صلحائے ملّت کی ہدایت ومشورے کو کوئی وقعت نہیں دیتے اور سوشلسٹوں کے اشارے پر ناچتے ہیں، قانون شکنی کرتے ہیں، بدامنی اور خوف وہراس پھیلاتے ہیں اور ہر طرح کا ظلم وفساد کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ اسلام کی صداقت وعظمت، دین واخلاق کی قدر وقیمت اور ایمان کی حقیقت کو نہیں جانتے اگر ان میں بقدرِ فہم واستعداد دینی بصیرت، اخلاقی حس اور فہم وشعور ہوتا تو وہ سوشلسٹوں کے بھرے میں نہ آتے اور اپنا ایمان نہ گنواتے، اسی شدید احساس کا نتیجہ ہے کہ یہ صدائے ایمان بلند کی جارہی ہے۔ یہ ایمان واسلام کی دعوت مسلمانانِ پاکستان کے لئے پیغامِ بیداری ہے۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی اس آواز پر کان دھریں، خدا سے اپنا تعلق قائم واستوار کریں، اپنے عقائد واعمال درست کریں، بزرگانِ دین کی صحبت ومعیّت اختیار کریں اور اپنے ایمان کو تازہ وپختہ کریں۔ یہی فتنۂ سوشلزم سے بچنے کی واحد راہ ہے، اگر ہمارے عوام و

خواص نے یہ راہ اختیار نہ کی اور پاکستان میں صحیح معنوں میں اسلام کا عادلانہ نظام قائم نہ ہوا تو دنیا بھر کے مسلمان بھی اِس سیلاب عظیم کو نہیں روک سکتے۔ اور اگر نظامِ اسلام قائم ہو گیا تو پاکستان ہی نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام کو بیحد فائدہ پہنچے گا۔

سوشلزم کیوں آرہا ہے؟

صِرف اِس لئے کہ ہمارے ایمان کمزور ہیں، ہم نے دنیا کو دین پر مقدم کر رکھا ہے، ہم متحد و منظم نہیں اور پاکستان میں اسلام کا عادلانہ معاشی نظام قائم نہیں آپ اپنے ایمان مضبوط کر لیجئے، دین کو دنیا پر مقدم کر دیجئے، تمام اسلام پسند عناصر کو متحد و منظم ہو جانے دیجئے اور پاکستان میں اسلامی نظام لے آیئے بس سوشلزم اپنی موت آپ مر جائے گا اور اس کی سڑی ہوئی لاش کو چین یا روس بھیجدیا جائیگا۔

کیا مسلمانوں کے پڑھے لکھے لوگ اور ذرا سی سمجھ بوجھ رکھنے والے عوام اتنی موٹی سی بات بھی نہیں دیکھتے اور سمجھتے کہ جو لوگ سوشلزم کا نعرہ لگا رہے ہیں وہ بے دین اور فسّاق و فجّار ہیں، ظالم و مکار ہیں، خود بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں، اپنے اپنے حلقوں میں اپنے مزارعین، ملازمین اور غربا کے حقوق غصب کئے ہوئے ہیں، عیش و عشرت کے دلدادہ ہیں، ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار کا شاہکار ہیں، اسلام نہ ان کی صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے اور نہ سیرتوں سے، کیا یہ حقائق و واقعات

نہیں؟ اگر ہیں تو پھر ہمارے مزدوروں اور غریبوں کو کیا ہوا کہ وہ اِن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟ کیا ہمارے اِن بھائیوں کو دکھاوے کی روٹی ایمان سے زیادہ پیاری ہے؟ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔

مُسلمانو! سوشلزم کے دھوکہ میں نہ آؤ!

یہ سراسر دھوکہ اور فریب ہے، اشتراکیت اور سوشلزم کے پجاری محض حصولِ اقتدار کے لئے تمہارے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ برسرِ اقتدار آ گئے تو تمہاری جھولی میں چند روٹیاں ڈال تو عجب نہیں تمہاری مسجدوں، خانقاہوں، دینی مدرسوں اور علماء و بزرگوں کی خبر نہیں۔ جو کچھ رُوس میں ہوا اور دوسرے اشتراکی ملکوں میں ہو رہا ہے وہی کچھ یہاں بھی ہوگا۔ پھر نہ تمہاری کوئی سُنے گا اور نہ ہماری ؎

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

یاد رکھو سوشلزم کے عاشق پاکستان کے موجودہ ظالم سرمایہ داروں سے بھی زیادہ ظالم ہیں۔ یہ عوام کو روٹی دکھا کر بدھو بنانا خوب جانتے ہیں۔ یہ تنزل و انحطاط کو ترقی و کمال سمجھتے ہیں، عیاشی و بدکاری کو تہذیب و ثقافت بتلاتے ہیں، چوری، ڈکیتی اور قتل و غارت گری کو حق و انصاف کا نام دیتے ہیں اور انتشار و بدامنی کو امن و اتحاد کا لباس پہناتے ہیں۔ اِن سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

ذرا غور کیجئے

جو ڈاکٹر ماہر، تجربہ کار، شفیق اور مہربان ہوتا ہے یہ سب صفات اس کے چہرے پر لکھی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ تجربے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ مذکورہ بالا صفات کی تصدیق اُن مریضوں سے کرائی جاتی ہے جو اُس کے زیرِ علاج رہے ہوں۔

کسی ماسٹر یا ٹیچر کی تعلیمی قابلیت و مہارت کا اندازہ اُن بچوں سے لگایا جاتا ہے جو اس کے زیرِ تعلیم ہوں۔

کسی کاریگر کی کاریگری کا اطمینان کرنا ہو تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھو وہ بزبانِ حال بتائیں گی کہ وہ کسی کاریگر کی بنی ہوئی ہیں یا اناڑی کی؟ اِن مثالوں سے آپ سمجھے کہ کیا بات بنی؟ اور اصول کونسا ہاتھ آیا؟ بات یہ ہوئی کہ محض پروپیگنڈہ، تحریر و تقریر اور دعوے و نعرے کوئی چیز نہیں، اصل چیز عمل اور سیرت و کردار ہے۔ مدعی جس بات کا دعویٰ کرتا ہے وہ بات اسکی زندگی، اس کے گھر اور اس کے ملک میں دیکھو۔ کیا سوشلزم کا نعرہ لگانے والوں کی زندگیوں اور گھروں میں اسلام اور عدل ہے؟ کیا وہ اپنے ملازموں، ماتحتوں اور زیردستوں کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں؟ اور کیا وہ چین اور روس جہاں سے یہ فتنہ اٹھا وہاں امن، عدل، سُکھ، چین اور اطمینان ہے؟ جنہوں نے وہاں جاکر دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہاں اِن میں سے کوئی چیز نہیں۔ وہاں جانے اور دیکھنے کی کیا ضرورت ہے یہیں اپنے ملک میں دیکھ لیجئے نا کہ وہ مدعیانِ سوشلزم

کی زندگیوں اور گھروں میں اِن میں سے کوئی چیز نہیں ملتی۔

"پھر کس برتے پر تتّا پانی"

معلوم نہیں لوگ کیوں بُدّھو بنے جا رہے ہیں۔ نہ کچھ دیکھتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں اور نہ عمل کی کسوٹی پر کسی کو پرکھتے ہیں۔ بس جذباتی تقریروں، سطحی تحریروں اور پُرشور نعروں کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔

آئیے ہم آپ کو دکھائیں کہ جہاں سوشلزم آیا ہے وہاں کے لوگوں کی کیا حالت ہے؟ وہاں کے مزدوروں اور غریبوں پر کیا بیت رہی ہے؟ اور وہ کس طرح اخلاق وانسانیت سے محروم ہو کر حیوانی زندگی گذار رہے ہیں۔

جِن ممالک میں سُوشلزم رائج ہے وہاں کیا حالت ہے،

رُوس کے آہنی پردے کے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ وہاں کے مظلوم و مقہور اور مجبور و بے کس انسان کس حال میں ہیں؟ سوائے وہاں کے باشندوں کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ ہر چیز پر زبردست پہرے ہیں کہ وہاں کی کوئی خبر باہر کے ملک میں نہ جانے پائے اور نہ کسی دوسرے ملک کی خبر وہاں پہنچنے پائے۔ ہاں جو خبریں روسی حکومت کی کڑی نگرانی سے بچ کر یا چھپ کر دوسرے ممالک تک کسی نہ کسی طرح پہنچیں ان کو سن کر بدن کے رُونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دُکھی انسانیت لرزنے لگتی ہے۔

روس کے آہنی پردے کے پیچھے کیا ہے؟

وہاں کمیونزم کی حکمرانی ہے، ملحدانہ افکار ونظریات فضاؤں پر چھائے ہوئے ہیں، وہاں سے مذہب، اخلاق اور خدا کا نام مٹ چکا ہے، کمیونسٹوں نے اپنے ملک سے بزعمِ خویش خدا کو نکال کر اپنی خدائی کا تختِ جلال بچھا لیا ہے، خدا کی حکومت کو ختم کرکے اپنی حکومت قائم کرلی ہے حالانکہ خود اُن کے بدن کے رُوئیں رُوئیں پر خدا کا بنایا ہوا قانونِ فطرت حکومت کر رہا ہے۔ ہم پورے زور کے ساتھ اور بلاخوفِ تردید یہ کہتے ہیں کہ وہاں سے اخلاق و انسانیت بالکل گم ہو چکی ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے فلاسفر، سائنسدان، موجد، ادیب، دانشور اور مدبر یہ نہیں جانتے کہ انسانیت اور حیوانیت میں کیا فرق ہے اور اخلاق کسے کہتے ہیں؟

اگر وہاں کے مزدوروں اور غریبوں کو کچھ معاشی خوش حالی اور فارغ البالی سرمایہ دارانہ ممالک سے زیادہ حاصل ہوگئی ہوں تو اس کے مان لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ ہم مانے لیتے ہیں کہ وہ سرمایہ دارانہ ممالک سے زیادہ خوش حال ہیں مگر یہ تو ایک روشن حقیقت ہے کہ وہ روٹی کے عوض ہر قسم کی آزادی کھو بیٹھے، وہ آمریت کے آہنی پنجے میں بہت بُری طرح جکڑے گئے، بجائے انسان کے ایک چلتی پھرتی باشعور مشین بن کر رہ گئے، اپنی انسانیت گم کر بیٹھے اور روٹی

کے کولہو کے گرد چکّر لگانے والے بیل بن گئے۔

فرمائیے اِس سے کِس کو مجالِ انکار ہے؟

چین میں کیا ہے؟

وہی کچھ جو رُوس میں ہے۔ اِس فرق کے ساتھ کہ رُوس اپنے دینِ اشتراکیت میں منافق، ابن الوقت، مصلحت اندیش اور بُزدل ہے۔ وہ آہستہ آہستہ سرمایہ دار ممالک سے اپنی چودھراہٹ کو قائم رکھنے کے لئے ساز باز کر رہا ہے اور اُس نے اپنے خدا کارل مارکس کو دھوکہ دیا اور چین کے مخلص ایمان داروں کو چُن چُن کر لقمۂ اجل بنایا۔

حالات دونوں کے یکساں ہیں، امن و عدل نہ روس میں ہے نہ چین میں۔ اور ان میں امن و عدل آئے کہاں سے، اس کا منبع تو وحی و نبوت کی روشنی و ہدایت ہے جس کا نام اسلام ہے۔ اِس کے اِن دونوں ملکوں نے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں۔

جو ادیب و دانشور اور سیاسی بازیگر ہمیں چین کے جو گیت سناتے ہیں اُن کی حقیقت اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ جس کا کھاتے ہیں اُسی کا گاتے ہیں، اپنا حقِ نمک ادا کرتے ہیں۔ اپنے قدح کی خبر سناتے ہیں اور اپنی آنکھوں پر معاشی مفاد کی عینک لگا کر چین میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہی آ کر ہمیں سُنا دیتے ہیں۔

وہ بیچارے کیا جانیں حقیقی آزادی اور فارغ البالی کسے کہتے ہیں؟ اخلاق و انسانیت کی حقیقت کیا ہے؟ امن و عدل سے کیا مراد ہے؟ اور انسانوں کے لئے صحیح نظام اور طریقۂ زندگی کیا ہے؟

"بس ہو چکی نماز مصلّٰے اٹھائیے"

جب رُوس و چین جو کمیونزم اور سوشلزم کا گھر ہیں وہیں حقیقی آزادی، فارغ البالی اور امن و عدل کا نام و نشان نہیں ملتا تو پھر آپ اور کہاں یہ چیزیں ڈھونڈھیں گے، رہے وہ چھ یا سات اسلامی ممالک جہاں سوشلزم اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور تباہ حال مزدوروں و غریبوں کی ہمدردی کا غازہ مَل کر آیا ہوا ہے، وہاں آپ کیا ڈھونڈیں گے؟ بجز حسرت و افسوس اور درد و سوز کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ پھر بھی کچھ سُن ہی لیجئے:۔

مُسلِم ممالک کو سوشلزم نے کیا دیا؟

وہاں کے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو بے دینی کا زور اور مسلمانوں کی دشمنی بخشی، اسلامی وحدت و اخوت کا تصوّر مٹایا، خانہ جنگی اور باہم آویزی کا سبق پڑھایا، ثقافت کے نام دولت و اقتدار کی خر مستیاں اور نفس پرستیاں سکھائیں، اسلام کو اپنے اغراض و مقاصد کا تابع بنانے کا دل و دماغ دیا اور اسلام کو قصۂ ماضی بنا کر رکھ دیا۔

ذرا غور تو فرمائیے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی جگہ حکمرانوں نے لے لی، پہلے جاگیردار و سرمایہ دار غریبوں کا خون چوستے تھے، اب حکمراں چوسنے لگے۔ دین و اخلاق کی جتنی قدر و قیمت سوشلزم کے آنے سے پہلے تھی، اُس کو بھی خاک میں مِلا دیا اور مزدوروں و غریبوں کو کھلونے دے کر بہلا دیا۔ یہ محض مخالفانہ پروپیگنڈہ نہیں بلکہ وہ حقائق و واقعات ہیں جن کا انکار کوئی حقیقت شناس اور دینی بصیرت رکھنے والا نہیں کر سکتا

بڑا فرق ہے

سوشلزم کے ڈاکو اور سرمایہ داری کے ظالم میں

آج کل سوشلزم کے حامی گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں کہ سرمایہ دار بڑا ظلم کر رہا ہے۔ اِس سرمایہ داری کے مٹانے کے لئے سوشلزم آنا چاہیئے۔

ہم دونوں فریق کے کردار کو آگے رکھ کر دکھاتے ہیں کہ سرمایہ دار کتنا ظالم ہے اور سوشلزم کتنا بڑا ڈاکو ہے۔

مثلاً ایک شخص مِل کا مالک ہے، سرمایہ دار ہے، وہ اپنے ملازم کو بوقتِ شام پانچ روپے دیتا ہے۔ ملازم نے صبح سے شام تک کا محنتانہ وصول کر لیا۔

(۱) دیکھو ملازم آزاد ہے گھر جا کر میٹھا کھانا تیار کرائے یا نمکین، چاول پکائے یا روٹی، کھانا گھر تیار کرائے یا ہوٹل سے کھائے، خواہ چنے کھا کر گذارہ کرے

یا پانچ روپے جمع کرے، ہر طرح آزاد ہے۔

بخلاف سوشلزم کے۔ صبح سے شام تک کام کیا، کارڈ پاس ہے، ہوٹل سے کھانا ملے گا۔ اس کا جی چاہتا ہے میٹھا کھاؤں، وہاں جو تیار ہے وہ اس کا پابند ہے، آزادی کا کھانا سلب، دو روٹیاں اور سالن میں گدھے کا گوشت ہے، یا چوہے اور گھونس کا سالن ہے۔ اپنے ساتھ کسی کو کھلا نہیں سکتا، بات کرنے کے واسطے اپنے پاس کسی کو بٹھا نہیں سکتا، اگر چار اشخاص بیٹھکر بات کریں تو دریافت کیا جاتا ہے کیوں جمع ہوئے اور کیا بات کرتے تھے، اگر کچھ شُبہ ہو گیا تو ان کی سزا گولی کا نشانہ ہے۔

(۲) مِل کا ملازم چھٹی کرنے میں آزاد ہے۔ اگر چاہے کہ میں کام نہ کروں تو پانچ روپے سے محروم ہوں گا۔ اگر سوشلزم والا کام پر حاضر نہ ہو تو سزائے موت۔

(۳) ملازم جیسا چاہے کپڑا پہنے لیکن سوشلزم والے کو جو کپڑا ملے گا دُوسرا نہیں پہن سکتا، اگر میعاد سے پہلے کپڑا پھٹ جائے تو وہ ننگا ہو جائے گا یا جاڑے میں مر جائے تو دوسرا کپڑا جب ہی ملے گا جب میعاد پوری ہوگی آزادیٔ لباس سلب۔

(۴) ملازم مِل بعد چھٹی آزاد ہے، رات بھر کچھ کرے، کسی مجمع میں جائے، کسی محفِل میں شریک ہو، لیکن سوشلزم والا دن و رات پابند ہے۔ یہ آزادی ہے یا بربادی؟

اِشتراکیت کی تباہ کاریاں

چین و رُوس کے عوام کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیا کا کوئی اخبار نہیں دیکھ سکتے یعنی اخبار بینی پر پابندی ہے، وہ صرف اپنے ملک کے اخبارات ہی دیکھ سکتے اور اپنی ہی بات سُن سکتے ہیں، دوسرے ممالک کے اخبارات نہیں پڑھ سکتے اور نہ دوسروں کی بات سن سکتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے دل و دماغ پر بس اشتراکیت ہی کا سکہ بیٹھا رہے، ان کے خود ساختہ خداؤں کی خدائی ہی کے ڈنکے بجتے رہیں۔ یہ گویا اُن کے دل و دماغ کو خرید لینا اور ان کے شعور و اختیار کو چھین لینا ہے اور یہی جوہرِ انسانیت ہے۔ اشتراکیت اس کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ پناہ بخدا کس قدر تباہ کن ہے اشتراکیت۔ اللہ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ کس قدر انسانیت کُش ہے نظامِ اشتراکیت۔

اُن کے عوام نہ کسی کو خط لکھ سکتے ہیں، نہ کسی کا خط وہاں پہنچ سکتا ہے۔ یعنی خطوط رسانی کی آزادی بھی وہاں کے لوگوں کو حاصل نہیں، کوئی شخص وہاں ہوا خوری یا سیر کے لئے کہیں جا سکتا ہے۔ یعنی چلنے پھرنے کی بھی آزادی نہیں۔ اِس سے زیادہ جبر و استبداد کیا ہو سکتا ہے؟

جیلوں میں بھی زبردست پابندی ہے، سرمایہ دار ممالک میں انسانوں کو انسانی حقوق

تو حاصل ہیں۔ اِن ممالک میں جن چیزوں کی آزادی ہے وہاں اُن پر پابندی ہے۔ جیل خانے کو لیجئے۔ جیلخانہ پابندیوں، جکڑبندیوں اور تکلیفوں کا گھر ہوتا ہے وہاں امن چین، آزادی اور راحت و آسائش کہاں۔ وہاں زندگی کی تمام نقل و حرکت پر پابندی اور نگرانی ہوتی ہے۔ تاہم انسانی فطری حقوق اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا خیال وہاں بھی رکھا جاتا ہے۔

دیکھئے ہمارے پیارے ملک پاکستان میں جو جیل خانے ہیں، اُن کے آئین و ضوابط امن و عدل پر مبنی ہیں۔ قیدیوں کی ہر جائز ضرورت کو پورا کیا جاتا ہے، ہر آسائش و سہولت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً قیدی اور مجرم کو اگر قوانینِ جیل کے خلاف کوئی ڈرا اور ستا رہا ہو، یا اُسے کوئی دُکھ اور تکلیف ہو، اُسے اپنے دوست و احباب سے ملنے میں کوئی رُکاوٹ ہو یا کھانے پینے کے متعلق کوئی شکایت ہو تو وہ اپنے جیل افسر تک شکایات پہنچا سکتا ہے اور اُن کا تدارک کرا سکتا ہے۔ لیکن اشتراکی ممالک کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے، وہاں کسی کے متعلق کوئی شکایت نہیں کی جاتی، بلکہ شکایت کرنا جرم ہے، وہاں کوئی چوں بھی نہیں کر سکتا۔ شکایت کی اور مارا گیا۔ سوائے گولی کے اور کوئی سزا نہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر اشتراکی ملک ہمارے یہاں کے جیل خانے سے بھی بدتر ہے۔ جہاں ہر قسم کی آزادی کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے اور انسانوں کو حیوانوں سے بدتر بنا دیا گیا ہے۔

اشتراکی ممالک میں اِنسان حیوانوں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں

غور فرمائیے۔ انسان جانوروں سے طرح طرح کے کام لیتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، اس لئے اُس کے کھولنے، باندھنے، گرمی سردی سے بچانے، مالش کرنے اور چارہ گھاس ڈالنے کا بھی خیال رکھتا ہے۔ وہ انہیں اس لئے زندہ رکھتا اور اُنکی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے کہ مالک کو اُن سے کام لینا ہے۔ بھینس، گائے اور بکری کے دانہ پانی، گھاس، کھل، بنولہ اور چارہ کا انتظام اس لئے کیا جاتا ہے کہ صبح شام اُن کا دودھ دُہنا اور مکھن گھی بنانا ہے۔

بالکل اسی طرح اشتراکی ممالک میں جانوروں کی طرح دن بھر مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے، نہ ان کو سرمایہ دار ممالک سے زیادہ رعایتیں دی جاتی ہیں نہ اُن کو زیادہ حقوق دیئے جاتے ہیں، نہ اُن کی دلچسپیوں کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ ان کو حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِس لئے کہ ان پر حکومت کرنی ہے، اُن کو قابو میں رکھنا ہے اور اُن سے کام لینا ہے۔ یعنی غریبوں اور مزدوروں کی ہمدردی، دلنوازی اور حکمرانی حکومت کی خود غرضی کا خوشنما پردہ اور شکاریوں کا ایک سنہری جال ہے۔

بھولے بھالے، دین و مذہب سے بے خبر، شعور و اختیار اور فہم و تعقل سے محروم عوام کو اشتراکی پنجرے میں اس طرح بند کر لیا جاتا ہے جس طرح اپنا

شوق پورا کرنے کے لئے طوطے کو پنجرے میں بند کرلیا جائے۔ اُس کو بادام، چنے کی دال اور پھل دئے جاتے ہیں اور "میاں مٹھو" بولنا سکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اشتراکی ممالک کے عوام کو اُن کے حکمرانوں نے اپنے فلسفے کے پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ ذرا دروازہ کھلا اور اشتراکی طوطا پھُر سے اُڑا۔

سب سے بڑا ظلم و استبداد

اُوپر ہم نے جن مظالم و مفاسد کا اشتراکی نقشہ پیش کیا ہے، وہ کم وبیش تمام دنیا کے ممالک میں ہیں، مختلف صورتوں اور مختلف لباسوں میں، اُن سب سے بڑھ کر انتہائی جبر واستبداد یہ ہے کہ اشتراکی ممالک میں انسانوں سے خدا مذہب اور اخلاق کا تصوّر چھین لیا جاتا ہے۔ اللہ پر ایمان، اُس کے تمام نبیوں اور آخرت پر ایمان ختم کیا جاتا ہے۔ یعنی کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ جہاں بھی اپنا پاؤں جماتے ہیں، وہاں اُن کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ پہلے اخلاق وانسانیت پر کلہاڑا چلائیں۔ "نہ رہے بانس نہ بجے بنسری"۔ نہ مذہب و اخلاق ہوگا اور نہ ہمیں کسی سے کوئی خطرہ ہوگا۔ دین واخلاق ہی تو ہے جو ہر فرعون، ہر قارون اور ہر ہامان کی خدائی اور جبر واستبداد کو چیلنج کرتا ہے اور جابروں و ظالموں کے عیش وعشرت میں خلل ڈالتا ہے اور ظلم وفساد کی راہیں بند کردیتا ہے۔

بس یہ مارکس برانڈ انسان اس لئے خدا، مذہب اور اخلاق کے پیچھے

ڈنڈا لئے پھرتے ہیں کہ ایک خدائے واحد وحقیقی سے انسانوں کو منحرف کر کے اپنے خود ساختہ خداؤں کی خدائی کے ڈنکے بجائیں، مذہب کا اثر مٹا کر عیاشی و بدکاری کی راہ کا کانٹا اپنی راہ سے دُور کر دیں اور انسانوں سے اخلاقی حس چھین کر انسانیت وحیوانیت کی سطح برابر کر دی جائے۔

دیکھا آپ نے اشتراکیت دین و اخلاق پر کتنی کاری ضرب ہے۔

کمیونسٹ سب سے بڑے دشمنِ ایمان ہیں

کیونکہ ایمان سے اُن کے کمیونزم پر کاری ضرب لگتی اور اُن کے فلسفے کی تمام عمارت پیوندِ زمین ہو کر رہ جاتی ہے۔ دوسری قسم کے کافر و ملحد تو ایمان کو کسی نہ کسی حد تک گوارا کر لیتے ہیں مگر ان کے لئے یہ سخت ناگوار ہے۔ خدا اور مذہب کا نام تو اُن کو اس طرح لگتا ہے جیسے گولی لگ گئی۔ ہمارے آقا اور دنیا کے محسنِ اعظم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی واسمِ گرامی بھی اِن کے لئے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ اِدھر ہر مسلمان کو خواہ وہ ایمان کی حقیقت جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اپنا ایمان اپنی جان و مال سے بھی زیادہ پیارا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت اُس کے ایمان کا لازمی جزو ہے اس لئے کوئی کمیونزم اور سوشلزم کا لفظ تک سننا نہیں چاہتا۔ وہ اپنی جان تو دے سکتا ہے مگر سوشلزم کو اختیار نہیں کر سکتا۔

کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کو کافر نہ کہنا، کافر نہ سمجھنا اور اُن کے کفر میں شبہ کرنا یہ اسلام سے دشمنی ہے مگر سخت افسوس بھی ہے اور تعجب بھی کہ بعض اسلامی ملکوں میں باوجود اِن تمام حقائق کے سوشلزم آچکا ہے اور پاکستان میں آنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی کیسی بدبختی ہے کہ سوشلزم اسلام کے نام پر مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہ اُس ملک میں ہو رہا ہے جو اسلام کے نام پر حاصِل کیا گیا تھا۔

یہ صورتِ حال ہر اسلام کے عاشق اور درد مند مسلمان کے لئے بیحد جگر خراش پریشان کُن ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اِس فتنے کی روک تھام سرگرم حِصّہ لے۔ مَیں اِس صورتِ حال کو دیکھ رہا ہُوں اور آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔ آخر جب مَیں اس پر صبر نہ کر سکا تو اللہ کا نام لے کر قلم سنبھال لیا اور ارادہ کر لیا کہ جو کچھ ذہن و قلب میں ہے وہ صفحۂ قرطاس پر لے آؤں اور اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے پیش کر دوں تاکہ سوشلزم کے فتنے کا سر کچلنے کے لئے ان کو ایک زبردست ہتھیار مل جائے۔ وہ خود بھی اس فتنے سے بچیں اور اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بچانے کی بھی فکر کریں۔

ہم مسلمان ہیں، امن و قانون کا احترام کرنا ہمارا فرض۔ بدامنی اور فساد کی اسلام کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتا۔ میرا ایمان ہے کہ مسلمان صِرف اِیمان کی طاقت سے یہ فتنہ کیا تمام فتنوں کی سرکوبی کر سکتے ہیں۔ باطِل

کی ہر طاقت کو شکست دے سکتے ہیں اور اپنی بگڑی بنا سکتے ہیں۔

تمام فتنوں کا واحد علاج ایمان ہے

تمام مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے ایمان کی کمزوری سے معاشرے میں تمام خرابیاں، کمزوریاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں، مصائب و آلام آئے، فتنوں نے سر اٹھایا، دشمنانِ دین کے حوصلے بڑھے، ممالکِ اسلامیہ کے ٹکڑے ہوئے اور ہمارا سیاسی و اخلاقی زوال آخری نقطہ تک پہنچا۔

تو اب اِن تمام باتوں کا علاج بھی یہی ہے کہ ایمانوں کو تازہ و پختہ کیا جائے یہی مفہوم و مدعا ہے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث کا:۔

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ

یعنی اے ایمان والو! اپنے ایمانوں کی تجدید لا اِلٰہ الا اللہ کے قول سے کیا کرو تاکہ تم زمانوں کے فِتنوں سے محفوظ رہو، دشمنانِ دین کا مقابلہ کر سکو اور خود اپنے نفس کو شکست دے سکو۔

اِسی بناء پر یہ ناچیز علمی کوشش و کاوش اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے پیش کر رہا ہے، اب اُن کا فرض ہے کہ وہ اِس کتابچہ سے خود بھی استفادہ کریں اور دوسروں تک بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچائیں۔ مجھے اللہ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ ان شاء اللہ پاکستان ضرور ضرور سوشلزم کے فتنے سے محفوظ

رہے گا۔ یہاں اسلامی نظام آکر رہے گا۔ پاکستان اسلام کی سب سے بڑی مادّی و رُوحانی طاقت بنے گا۔ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بنیں گے اور پاکستان دن دُونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔ اگر ساری دنیا کی طاغوتی طاقتیں مِل جائیں تو پاکستان کا بال بھی بِیکا نہیں ہو سکتا۔ بھارت بیچارہ تو کیا چیز ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی ایک ہی ضرب سے ٹھنڈا ہو جائے گا

مَیں اپنے لئے بھی اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں مومن اور مسلم بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین

ناچیز خادمِ ملک وملّت

قاضی زین العابدین دہلوی عفی عنہ

مُبسمِلاً حامِداً وّ مُصلیاً

تمہیدِ ایمان

ایمان سب سے بڑی چیز ہے۔ تمام اعمالِ صالحہ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، خیرات و صدقات اور جہاد و شہادت وغیرہ تمام عبادات اور فضائلِ اخلاق کی قبولیت اور اصلاحِ اخلاق و تکمیل کا دارومدار ایمان پر ہے۔ قلب میں اگر ایمان ہے تو تمام نیکیاں قبول ہو جائیں گی اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو تمام اعمالِ صالحہ بیکار ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات اور مختلف پیرایوں میں یوں بیان فرمایا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ الخ

(سورہ ۱۷، رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ "جس شخص نے مرد و عورت میں سے، نیک عمل کیا اور وہ مومن بھی ہو۔"

یعنی مرد ہو یا عورت جو کوئی بھی نیک عمل کرے، اُس کے عمل کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے۔ اسی بات کو سورۃ النساء میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ (رکوع ۱۷)

ترجمہ:۔" اور جو نیک عمل کرے گا، حالتِ ایمان میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو ایسے ہی لوگ جنّت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرّہ برابر زیادتی نہ کی جائے گی۔"

اِس آیت میں بھی واضح طور پر اعلان فرمایا کہ نیک عمل کی نتیجہ خیزی اور قبولیت کا انحصار ایمان پر ہے۔ تمام اعمالِ صالحہ کی صحت و قبولیت کی شرطِ اوّل ایمان ہے۔

یعنی کوئی مرد ہو یا عورت کسی قسم کی نیکی کرے، اُس کی نیکی اُس وقت قبول ہو گی جب نیکی کرنے والے کے قلب میں ایمان بھی ہو۔ اِس آیت میں صراحتاً سمجھا دیا گیا ہے کہ کوئی نیکی خواہ وہ جہاد و حج کی طرح کتنی ہی بڑی یا نفلی نماز پڑھنے کی مانند کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو وہ ایمان کے بغیر قبول نہ ہو گی۔ یعنی اُسے اس کی نیکی کا ثواب نہ ملے گا اور جب ثواب نہ ملا تو

نیکی اکارت گئی۔

جن کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اُن کے اعمال کا وزن نہ ہوگا

قرآن حکیم نے تمام انسانوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ تمام اعمال کی قدر و قیمت ایمان سے ہے، اعمالِ صالحہ کے اچھے نتائج اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ظاہر و نمایاں ہوں گے۔ بشرطیکہ ان کا منبع ایمان ہو، اور جن لوگوں کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو قیامت کے دن ان کے اعمال کا وزن نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ○

(سورۂ الکہف۔ آخری رکوع)

ترجمہ:۔ "یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی مُلاقات کا انکار کیا، سو اُن کے نیک عمل ضائع گئے اس لئے ہم قیامت کے دن ان کے اعمال نہیں تولیں گے ان کے پاس صِرف گناہ ہوں گے، نیکیاں عدمِ ایمان کی وجہ سے ضائع ہوگئیں"۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا۔

اس کی کیفیت و حقیقت کیا ہوگی۔ یہ ہم نہیں جان سکتے۔ بہر حال ہمیں اِس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا۔ قرآن کا اعلان ہے:۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ج (سورۃ الاعراف۔ رکوع ۱۔ پ۸)

ترجمہ:۔ اس دن اعمال کا تولنا برحق ہے۔

وزنِ اعمال سے کیا مُراد ہے؟

وزن کسی شَے کے اندازے کے پہچاننے کو کہتے ہیں۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ عام طور پر وزن وہ سمجھا جاتا ہے جو ترازُو کے ساتھ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ترازو کا ذکر آیا ہے۔ قرآن شریف میں تو متعدد مقامات پر ترازو اور وزن کا ذکر آیا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں وزن سے مُراد تمام انسانی افعال واقوال ہیں، عدل وانصاف کا ملحوظ رکھنا ہے۔ بہر حال ہمیں جن قرآنی آیات اور احادیث نبویہؐ میں ترازو وزنِ اعمال کا ذکر ہے اُن کے الفاظ اور ظاہری معنوں پر ایمان رکھنا چاہیئے اور حقیقتِ حال خدا تعالیٰ پر چھوڑ دینی چاہیئے۔ مقصود یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا، اس کے واسطے اعمال کی ترازو اور وزن نہیں۔ اس کے تمام اعمال قیامت کے دن

بیکار و بے وزن ہوں گے۔ اُن کی کوئی حقیقت نہ ہوگی۔

جب اس کے نیک اعمال کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اُن کے وزن کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن پاک میں اس مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر نیک عمل کی کوئی قدر قیمت نہیں۔

آخرت میں ہر مُسلمان کا اُسکے اعمال کے مُطابق درجہ ہوگا

کُفّار کو انکے نیک اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا

سُورۃ الاحقاف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

(اور آخرت میں ہر ایک کے لئے اس کے عملوں کے موافق درجہ ہوگا اور البتہ اُنہیں اُن کے عملوں کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)

اِس کے بعد فرمایا:۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَذْھَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا ج فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ

وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ○ (سورہ ۴۶، رکوع ۲)

ترجمہ: "اور قیامت کے دن جب کفر کرنے والے آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا) تم اپنی دنیا کی زندگی میں مزے اُڑا چکے اور فائدے اُٹھا چکے، آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم ناحق زمین میں سر اٹھائے اور نافرمانیاں کرتے رہے تھے۔ اِس لئے آج اپنے کئے کی سزا پاؤ ہمیشہ کے لئے جہنّم کی آگ میں جلو۔"

ماحصل اس آیتِ کریمہ کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں نیکیاں کیں لیکن ان کے قلب میں ایمان نہ تھا۔ اُن کی درخواستِ رحم اِس بنار پر رَد کر دی جائے گی کہ ہم نے تمہاری ہدایت و اصلاح کے لئے تمہارے پاس انبیار علیہم السلام کو بھیجا، اُن پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے، تمہیں ہدایت و ضلالت میں فرق و امتیاز کرنے کا شعور و اختیار دیا اور گذشتہ امتوں کی ہدایت و ضلالت کے واقعات سُنائے مگر پھر بھی تم نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی اور نافرمانیاں کیں اِس لئے آج اپنے کئے کی سزا بھگتو۔

تم نے بیشک بڑے بڑے نیکی کے کام کئے تھے۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا، ننگوں کو کپڑے پہنائے، پیاسوں کو پانی پلایا، غریبوں کو موسم سرما میں کمبل

اور لحاف تقسیم کئے، خیراتی شفا خانے کھولے، اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کو عام کیا، پُل، سرائیں، سڑکیں اور کنوئیں بنائے۔ اسی طرح اور بھی رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کئے۔ اِس پر نادان لوگوں نے تمہاری تعریفیں کیں اور تمہاری یادگاریں قائم کیں۔ مگر باوجود اِن باتوں کو یہ سوچنے اور سمجھنے کی توفیق نہ ملی، نیک اعمال فی الحقیقت نیک اعمال اُس وقت کہلاتے اور اُخروی اجر و ثواب پیدا کرتے ہیں، جب وہ ایمان کے ماتحت صادر ہوں۔ دل میں ایمان ہو اور احکامِ شریعت کے مطابق عائد کردہ حقوق و فرائض ادا کئے جائیں۔ اللہ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص صحیح معنوں میں نیک بن ہی نہیں سکتا اور اس کے اعمالِ صالحہ کا اجر و ثواب مِل ہی نہیں سکتا۔

رہا کفار کے نیک اعمال کا معاملہ سو قرآن نے اِس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اعلان کر دیا کہ تم دنیا میں زندگی کے مزے اُڑا چکے۔ تمہیں دُنیا میں اِن نیکیوں کا بدلہ مِل چکا۔ اب یہاں بجز ذلت کے عذاب کے تمہارے لئے کچھ نہیں۔

مذکورہ بالا آیات کا مفہوم و مفاد

یہ ـــــ کہ ایمان کے بغیر کوئی شخص نیک نہیں بن سکتا اور نہ اُس کی کوئی

نیکی قبول ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اِسی بنا پر تمام اُمّتِ اسلامیہ کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ ایمان کے بغیر نیکی قبول نہیں ہوتی۔

پس ہم تمام مسلمانوں پر لازم آیا کہ ایمان کی حقیقت اور اُسکے لوازمات ومقتضیات کو جانیں، دلوں میں مضبُوط ایمان ویقین پیدا کریں اور پھر اس کے تقاضوں کو بڑے فکر واہتمام سے پُورا کریں۔ اِس طرح ہم صحیح معنوں میں مومن اور شعوری وعملی مُسلم بن سکتے اور دارین میں اجر وثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

ہر مُسلمان کا فرض

جب آپ دِل سے اس بات پر یقین کر لیں کہ ایمان ہی اعمالِ صالحہ کی بنیاد ہے۔ ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ پر کوئی اجر وثواب مترتّب نہیں ہوتا تو اپنے دلوں میں تازہ اور پختہ کریں۔ یہ فتنوں کا زمانہ ہے، ہر طرف کفر والحاد اور فسق ونفاق کے ایمان کُش جراثیم پھیلے ہوئے ہیں، باطِل افکار ونظریات کے فروغ وغلبے نے ہر مُسلمان کے دین وایمان کو خطرے میں ڈال رکھا ہے۔ ایسے فتنوں سے بھر پُور زمانے میں ہر مُسلمان کا مقدم واہم

فرض ہے کہ دین و ایمان کی حقیقت سے باخبر ہو، اپنے عقیدے کی دل و جان سے حفاظت کرے اور احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرے۔

اِس کتاب کی تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کا مقصد صِرف یہی ہے کہ مسلمان بیدار اور متنبہ ہوں۔ وہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں، اس کو نفس و شیطان کے حملوں سے بچائیں اور ایمان و اخلاق والی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

یاد رکھئے کہ اگر ایمان جاتا رہے، یا ڈانواں ڈول ہو جائے اور ایمان پر خاتمہ نہ ہو تو پناہ بخدا تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ کوئی نیکی اور عمل کام نہیں آتا، ہر وقت اور ہر حال میں ایمان اور اس کی حفاظت پر نظر رکھنی چاہئے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(سورہ ۵۹۔ رکوع ۲)

ترجمہ:۔ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور چاہئے کہ دیکھتا رہے ہر شخص کہ کیا بھیجا ہے اُس نے کل (قیامت) کے واسطے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے“

اِس بارے میں قرآن مجید نے جو سخت وعید مسلمانانِ عالم کو سنائی ہے،

اُسے سنئے اور اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ کیا ہم فی الحقیقت مؤمن اور مسلمان ہیں۔

ایک سخت وعیدِ خداوندی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ٘ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۝ (سورہ ۵ رکوع ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی ایمان سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ تعالیٰ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا۔ جو مؤمنوں پر نرم اور کفّار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ تو اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسیع فضل و رحمت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔"

اِس آیتِ مبارکہ میں چند باتیں غور طلب ہیں جو نمبر وار تحریر ہیں:۔

(۱) "اے ایمان کے دعویدارو! اگر تم زبان سے ایمان کا اقرار کروگے، تمہارے قلب میں ایمان نہ ہوگا اور تم اس کے عملی تقاضے پورے نہ کروگے تو پھر دینِ اسلام کو تمہاری کیا ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق عطا فرمادے گا، وہ تمہارے جیسے نہ ہونگے بلکہ وہ اللہ کے دوست ہوں گے اور اللہ ان کو دوست رکھے گا۔

یعنی ایمان کے عملی تقاضے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کا تعلق قائم کیا جائے۔ مؤمن کی سب سے بڑی صفت یہی ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا: "جو ایمان والے ہیں ان کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔"

(۲) "ایمان کا پہلا عملی تقاضا تو اللہ سے شدید محبّت رکھنا ہے اس کی عملی اور لازمی صُورت یہ ہے کہ مدنی آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم مومن کو اپنی جان و مال اور تمام چیزوں سے زیادہ پیارے ہوں اور آپ کی کامل اطاعت و پیروی کی جائے، آپ کی محبّت و اطاعت کے بغیر کوئی شخص ہرگز ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا اور نہ مقصودِ ایمان پورا ہوسکتا ہے۔"

(۳) "ایمان کا دُوسرا عملی تقاضا مؤمنوں پر نرم ہوتا ہے۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ مومن دوسرے اہلِ ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے، اس کی بصیرت و ذہانت، اُس کی قابلیت وہوشیاری، اس کا اثر و رسُوخ، اُس کا مال، اُس کا جسمانی زور وغیرہ کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے، ستانے اور نقصان پہنچانے میں صرف نہ ہو مسلمان ہمیشہ اس کو اپنا ہمدرد وخیرخواہ، رحمدل شفیق اور حلیم انسان پائیں۔"

(۴) "ایمان کا تیسرا عملی تقاضا کفار پر سخت ہونا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن اپنے ایمان کی پختگی، خلوص و شعورِ دینداری، اصُولِ اخلاق کی پابندی، سیرت کی مضبوطی اور فراستِ ایمان کی وجہ سے دشمنانِ دین کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کی طرح سخت ہو، نہ وہ کسی فرعونی طاقت سے ڈرے نہ ہفت اقلیم کی بادشاہی سے کبھی خریدا جاسکے، زمین و آسمان اپنی جگہ سے ہل جائیں مگر مومن اپنی جگہ سے نہ ہلے۔"

(۵) "ایمان کا چوتھا عملی تقاضا یہ ہے کہ مومن اللہ کے دین کی پیروی کرنے، اس کے احکام پر عمل کرنے، دینِ اسلام نے جس چیز کو حق بتلایا ہے اُسے حق سمجھے اور جسے باطل قرار

قرار دیا ہے، اُسے باطل کہنے میں کسی قسم کا اندیشہ اور خوف و ہراس نہ ہو، کسی کی مخالفت، کسی کی طعن و تشنیع، کسی کے اعتراض اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرے، خواہ اپنے عزیز و اقارب، اپنے دوست واحباب، اپنے کنبے برادری اور اپنی قوم میں نکّو بن جائے مگر اسلام کی راہِ راست اور حکمِ الٰہی سے اعراض نہ کرے۔"

(۶) مذکورۂ بالا پانچ ایمانی اوصاف و خصائص اللہ کا فضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ فضیلت و بزرگی اور عظمت و شان جس کو چاہے عطا کر دے۔ اگر نام نہاد مومن یہ اوصاف و خصائص کھو دیں گے تو اللہ تعالیٰ اور بہت سے لوگوں کو ایمان لانے اور یہ اوصاف حاصل کرنے کی توفیق بخش دے گا۔

(۷) "اللہ بڑی قدر و حکمت والا ہے، پوری کائنات اُسکے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ خالقِ اسباب اور مقلّب القلوب ہے، وہ جانتا ہے کہ مومن ایمان کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟ اور کفار و مُلحدین کیا کر رہے ہیں۔"

یہ وعیدِ خداوندی ہمیں بیدار و متنبّہ کر رہی ہے کہ ہم محض زبانی اقرار پر ہی اکتفا کئے نہ بیٹھے رہیں۔ ایمان کی حقیقت کو سمجھیں۔ ایمان میں پختگی

حاصل کریں اور اس کے عملی تقاضے پورے کریں۔

اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اللہ کے دین کا کام ہمارے بھروسے اٹکا نہ رہیگا۔ اگر ہم ادیانِ باطلہ کے مقابلے میں دینِ حق کو غالب کرنے کا کام نہ کریں تو دین کا کام ہی نہ ہو۔ بلکہ یہ کفار و ملحدین بالآخر کبھی نہ کبھی گرتے پڑتے، تباہ و برباد ہوتے اور عقل و تجربے کے سہارے خدا تک پہنچ ہی جائینگے۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں میں سے کوئی قوم اللہ پر ایمان لے آئے گی اور دین کے فروغ و غلبے کا کام کماحقّہٗ سرانجام دے گی۔

اِسی مضمون کو سورۃ البقرہ میں یوں بیان فرمایا گیا:۔

وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (رکوع ۲۶)

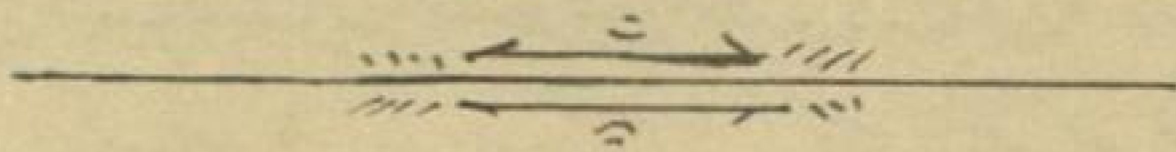
ترجمہ:۔ اور وہ تو تم سے لڑتے ہی رہیں گے حتّٰی کہ اگر اُن کا بس چلے تو تمہیں دِین سے پھیر دیں (تو اب تمہیں اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ) تم میں سے جو کوئی اس دِین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا، اُس کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں ضائع ہو جائینگے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور

ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔

اِن جذبات واحساسات اور قرآنی تعلیمات وہدایات کے مطابق میر جذبۂ خدمتِ دین بھڑک اٹھا اور مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے یہ کتاب اور دعوتِ ایمان پیش کروں۔

"گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"

مذکورۂ بالا گذارشات سے آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا اور اندازہ لگالیا ہوگا۔ اِس دَور میں ہم مسلمانوں کو ایمان واسلام کا شعور حاصل کرنے، ایمانوں کو پختہ کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی کتنی شدید ضرورت ہے؟ اور اِس صدائے حق نے کتنے بڑے خلا کو پُر کیا ہے۔ اللہ ہمیں فہم وعمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظمتِ ایمان

ایمان کی فائز المرامیاں

قرآن حکیم نے ایمان و عملِ صالح دونوں پر یکساں زور دیا ہے۔ جگہ جگہ "اٰمنُوا" کے ساتھ ساتھ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی تاکید و تکرار بھی نظر آتی ہے۔

اِس کے باوجود اس نے ایمان و اسلام میں فرق بھی کیا ہے۔

اِس بارے میں ہمارے علماء کے درمیان بڑی بڑی علمی بحثیں ہیں، جو اہلِ علم ہی کے لئے مفید و کارآمد ہیں۔ عوام کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ:۔

اِسلام عمل کا نام ہے اور ایمان دل کے یقین کا نام ہے۔ اگر ایک مسلمان بے سوچے سمجھے اسلام کا کلمہ پڑھے اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار و اعلان کرے لیکن اس کے دل میں توحید و رسالت کا صحیح اور ضروری فہم و شعور اور یقین نہ ہو تو وہ بہر حال ظاہری اور قانونی طور پر مسلمان تو ضرور ہے۔ لیکن اسکو مومن نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن پاک کا اعلان ہے:۔

سُورۂ منافقون میں ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ جھُوٹے ہیں۔ دل میں یقین نہ ہونے کی وجہ سے ان کو جھوٹا کہہ دیا اور ان کو بے ایمان قرار دیا۔

فرشتے ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے ہیں

عظمتِ ایمان کے بارے میں اِس سے زیادہ اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ ایمان والے زمین پر گناہ کرتے ہیں، عرشِ اعلیٰ کے اٹھانے والے فرشتے اِن ایمان والوں کے واسطے استغفار کرتے ہیں۔ اب سُنئے مزید اس کی عظمت وشان۔ ارشادِ باری ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○

(سورہ ۴۰ رکوع ۱)

”جو فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرداگرد ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں، اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے

استغفار کرتے ہیں، یعنی مومنین سے جو گناہ ہو جاتے ہیں ان کی معافی اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں - اور اس طرح ایمان والوں کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے، سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کی ہے اور آپ کے راستے پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے۔"

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ دعا بھی کرتے ہیں:-

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"اے ہمارے پروردگار! اور اُن کو ہمیشہ رہنے والی جنّتوں میں، جن کا آپ نے اُن سے وعدہ کیا ہے، داخل کر دیجئے اور اُن کے ماں باپ، بیبیوں اور اولاد میں جو (جنّت کے لائق ہوں یعنی مومن ہوں) اُن کو بھی داخل کر دیجئے۔ بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔"

اللہ اللہ کتنی بڑی عظمت و شان ہے مومن کی کہ فرشتے اُن کے لئے دخولِ جنّت کی دُعا کرتے ہیں۔ نہ صرف اُن کے لئے بلکہ اُن کے والدین،

بیویوں اور اولاد کے لئے بھی یہی دُعا کرتے ہیں بشرطیکہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ پہلی آیت میں ان کی توبہ قبول کرنے اور اُن پر رحمت نازل کرنے کی دُعا کرتے ہیں جو سچے دِل سے توبہ کرکے اللہ کی راہ پر چلیں یعنی خواہشاتِ نفسانی کے مقابلے میں احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہوں۔

دوسری آیت میں دخولِ جنت کی دعا ہے۔ صرف توبہ قبول کرنے اور جنت میں داخل کرنے کی دعا پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ بھی دعا کرتے ہیں:۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ
وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ :۔ "اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اُن کو گناہ سے بچا۔ جس کو تو نے گناہ سے بچایا بڑا رحم کیا۔"

اِن آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قرآن کے نزدیک مغفرت، رحمت حفاظت، عذاب اکبر و اصغر اور دخولِ جنت یہ چیزیں دنیا اور آخرت دونوں میں بہت بڑی کامرانی ہے اور اس کے حقدار صرف مومن ہیں۔
یہ وہ کامیابی ہے جس کے مقابلے میں تمام مادّی ترقیاں ہیچ ہیں — یہ عظمت و شان صِرف ایمان کے ذریعہ ہی میسّر آسکتی ہے۔

اِن آیاتِ بیّنات میں ایمان کی ایک عظمت نہیں بلکہ سات عظمتیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) ایمان والے زمین پر گناہ کریں عرش عظیم کے اٹھانے والے فرشتے اور اسکے گردوپیش حمد و ثنا کرنے والے فرشتے اللہ تعالیٰ سے ان ایمان والوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ جیسے کلمات وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ظاہر ہے۔ اللہ غنی ایمان کا کس قدر بڑا درجہ اور عظمت ہے۔

(۲) پھر فرشتے مومنین توبہ کرنے والوں کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ سے یہ کہتے ہیں: فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا۔ "ایمان والے جو توبہ کریں اے اللہ ان کی مغفرت فرما۔"

(۳) دُعا کرتے ہیں ان مومنین کو عذاب جحیم سے نجات دے۔

(۴) عظمتِ ایمان تو یہ ہے کہ یہ جلیل القدر فرشتے انکے واسطے دخولِ جنت کی دُعا کرتے ہیں۔

(۵) ان کے آباء واجداد جورو بچوں کے واسطے بھی دخولِ جنت کی دُعا کرتے ہیں۔ یہ کیا کم عظمتِ ایمان ہے۔ دیکھو وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ الخ

(۶) اخیر میں ایسی عجیب دُعا کرتے ہیں جو تمام خوبیوں کو شامل ہے یعنی اے اللہ ان کو گناہ سے بچا جس کو تو نے گناہ سے بچایا حقیقت میں تو نے اس پر بڑا رحم کیا وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ط

(۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب سے بڑی کامیابی ہے (فوز عظیم ہے)

امن و سلامتی ایمان سے ملتی ہے اور اللہ تعالےٰ ایمان والوں پر سلام بھیجتا ہے

ایمان کی دوسری عظمت اور فائز المرامی یہ ہے کہ ایمان والے نفس و شیطان کے حملوں اور دشمنانِ دین کی دشمنیوں وایذا رسانیوں سے محفوظ رہتے ہیں، اُن پر تہذیب و ترقی اور امن و سلامتی کی تمام راہیں کھُل جاتی ہیں۔ وہ زہرہ گداز مصائب و آلام اور تکالیف و شدائد کی منزلوں سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ گذر جاتے ہیں، اور آزمائش و ابتلاء کی بھٹی میں پڑکر اپنے ایمان میں وہ اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اللہ کی راہ میں مصائب و آلام اُن کی رُوحانی غذا بن جاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ (سورہ ۶- رکوع ۵)

ترجمہ:- اور جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اُن کو میرا سلام پہنچا دیجئے۔ اور کہہ دیجئے تمہارے رب نے تم پر اپنی مہربانی کرنا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے۔

آج کل ایمان کی کوئی قدر نہیں، بات کرتے وقت کہہ دیتے ہیں کہ

ہم نے ایمان طاق میں رکھ دیا اور کوئی کہتا ہے ایمان کو ہم نے چھپر پر رکھ دیا اس میں ایمان سے انکار بھی ہے اور توہین بھی۔ دیکھو ایمان کی کس قدر بڑی عظمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک نہیں دو عظمتیں بیان کیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بواسطہ سید الانبیا محبوب کبریا جناب محمد رسول اللہ سلام بھیج رہا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اور بندوں میں انبیاء علیہم السلام واسطہ ہوتے ہیں تو سلام بھی اللہ تعالیٰ نے واسطہ بنایا۔ فرمایا قُل یعنی ہمارا سلام ایمان والوں کو پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یوں نہیں فرمایا مومنین پر سلام کہہ دو بلکہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ تاکہ معلوم ہو جائے سلام ارسال کی وجہ ایمان ہے۔

(۲) دوسری ایمانی عظمت کیسی شاندار ہے: کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَۃَ ایمان والوں پر رحمت کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ ضروری قرار دے دیا ہے۔ یعنی ایمان والے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں ظلِ رحمت میں رہیں گے۔

کلمہ طیبہ کی ایک پُر حکمت مثال

ایمان کی حقیقت اور اُس کی رُوح کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یں ہے۔ یہ توحید و رسالت بنیاد ہے اسلام کی اور محور و مرکز ہے تمام اسلامی تعلیمات و ہدایات کا۔ اس کی حقیقت، اس کی قدر و قیمت اور اس کی عظمت و جلالت سمجھانے کے لئے پروردگارِ عالم نے ایک نہایت پُرحکمت مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورہ ۱۴۔ رکوع ۴)

ترجمہ:۔ "کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کس طرح بیان کی ہے، جو ایک عمدہ درخت کی طرح ہے۔ اسکی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر وقت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"

اب اِس پُرحکمت مثال کے الفاظ اور اُن کے معانی کی حقیقت و تفصیل سنئے اور اپنے ایمانوں کی تازگی و پختگی حاصل کیجیے:۔

کسی چیز کی اصل اُس کا سب سے نیچے کا حصّہ ہوتا ہے۔ یا وہ چیز جو اُس کے لئے بطور بنیاد ہو۔ اگر وہ بنیاد نہ ہو تو اُس پر کوئی عمارت ہی نہ بنے۔

یعنی ایمان ایسی چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو سرے سے شرافت، انسانیت اخلاق اور روحانیت ہی نہ ہو۔ اگر ایمان تخم ہے تو اعمالِ صالحہ اُس کے برگ وبار۔

فَرْع کے معنے شاخ ہیں۔ اس کی جمع فروع ہے۔ اِس کے دو لحاظ ہوتے ہیں ایک طُول یعنی بلندی کے لحاظ سے کیونکہ فرع کے معنے ہیں طَالَ دوسرا لحاظ عرض ہوتا ہے۔ جیسے تَفَرَّعَ کے معنے ہیں پھیل گیا۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ اِس آیت میں کلمہ طیّبہ اور کلمہ خبیثیہ سے مُراد حق اور باطِل ہیں۔ کلمہ طیبہ کسی نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، کسی نے قرآن اور کسی نے دعوت الی الاسلام مُراد لی ہے۔ لیکن اگر اس سے مُراد حق لی جائے تو اس میں یہ سب چیزیں داخل ہو جاتی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

اِس مثال میں ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح ایک درخت جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہو اور اُس کی شاخیں آسمان میں پھیل جاتی ہوں اسی طرح کلمۂ حق ہوتا ہے کہ اُس کی اصل مضبُوط ہوتی ہے اور اس کی فروع سب اُس اصل سے تعلق رکھتی ہیں گو وہ کتنی ہی دُور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ اسی طرح مومن ایک اُمّتِ واحدہ بن کر رہتے ہیں۔ توحید اُن کو منظم و متحد رکھتی ہے۔ اُن میں تفریق و اختلاف کا گذر نہیں ہو سکتا، وہ اپنی اصل سے وابستہ رہتے ہیں۔

اِس مثال نے ایمان کی عظمت اور مومنوں کی شان کو اچھی طرح بلند کر دیا اور ان کو وحدت و اجتماع کا سبق دے دیا۔

موت کے بعد دُعا کا حکم

عظمتِ ایمان کے بارے میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ایمان کے ذریعہ مومنوں کو تمام خوبیاں اور کمالات حاصل ہوتے ہیں اور دنیوی ترقی و اُخروی نجات حاصل ہوتی ہے، انہیں دنیا میں امن و سلامتی کی زندگی میسّر آتی ہے۔ رہا مرنے کے بعد کا معاملہ سو اُس کے لئے حکم ہے:۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

(سورہ ۵۹۔ رکوع ۱)

ترجمہ:۔ ”جو ان کے بعد آئے (جو ان مذکورین کے حق میں) دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہو۔ اے ہمارے پروردگار آپ بڑے شفیق و مہربان ہیں۔“

یہ دعا معاصرین کو بھی عام ہے حاصل یہ کہ ہم متقدمین کے فضل کے معتقد رہیں اور معاصرین میں عام محبّت ہو۔ ہمارے دلوں میں باہمی بغض و کینہ نہ رہے۔ ہم ایمان کے رشتے سے بھائی بھائی بن کر پیار و محبّت سے رہیں۔ اِس سے بڑی ایمان کی عظمت اور مومنوں کی شان اور کیا ہو سکتی ہے؟ اِس آیت سے ثابت ہوا کہ بعد موت مغفرت کی دعا جائز ہے، میّت کو دُعا کا فائدہ پہنچتا ہے۔ اِسی سے ایصال ثواب بھی ثابت ہو گیا۔

بعد موت کافر کیلئے دُعا کی مُمانعت

ہمیں مومنوں کے لئے بعد موت دُعا کا حکم ہوا۔ ہم پر مُردوں کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے لئے دُعائے مغفرت کریں۔ یہ ایمان کا فیض و برکت ہے۔ یہ ایمان پر خاتمہ کی وجہ سے مُترتّب ہوتا ہے لیکن کافر کے لئے بعد موت دُعا کی ممانعت کی گئی۔ وہ کُفر پر خاتمہ کی وجہ سے دُعائے مغفرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہوا:۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (سورہ ۹۔ رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔ "نبی کے لئے شایاں نہیں اور (نہ) اُن کے لئے جو

ایمان لائے کہ وہ مشرکوں کے لئے دُعائے مغفرت کریں، گو وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اسکے بعد کہ اُن پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ دوزخی ہیں"۔

اِس آیت کی رُو سے اُن مشرکین کے لئے جو کھلے طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ دوزخی ہونا صراحت کے ساتھ ثابت ہو۔ مفسّرین نے اِس تبیین یعنی صراحت کی دو ۲ صُورتیں ٹھہرائی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص حالتِ کفر پر مرجائے۔ دُوسرے یہ کہ بذریعۂ وحی معلوم ہو جائے کہ وہ شخص ناقابلِ اصلاح ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں مذکور ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استغفار سے اُس وقت رُکنا بیان کیا گیا ہے جب یہ واضح ہوگیا کہ وہ شخص خدا کا دشمن تھا۔

استغفار سے روکنے کی اصل غرض یہی ہے کہ جو شخص کھُلے طور پر اُس حق وصداقت کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی آقائے نامدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجی ہے۔ کھُلّم کھُلّا اس کا دشمن ہو اُس کے لئے طلبِ معافی بے معنیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے ایسا تعلق اور ایسا اخلاق مومن کی شایانِ شان نہیں اور کسی شخص کی ایسی دشمنی پر قطعی یقین تو وحیَ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر بعض وقت واقعات بھی بتا دیتے ہیں۔

مگر یاد رہے اس نہی میں عام مشرک یا کافر نہیں، ہاں جو لوگ

حالتِ شرک یا کفر پر مر جائیں، اُن کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کا استدلال بھی اس سے کیا جا سکتا ہے۔ اس باب میں اصل بات یہ ہے کہ نمازِ جنازہ صرف مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔ انسانی ہمدردی کا حق اور ہے اور اسلامی ہمدردی عام انسانی ہمدردی کے حق کے علاوہ اور ہے۔ نمازِ جنازہ بغیر تعلق اخوتِ اسلامی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے جس طرح چاہے اُن سے معاملہ کرے۔ مگر نمازِ جنازہ اُنہی لوگوں کی ہو سکتی ہے، جو ظاہرا طور پر اسلام میں داخل ہو چکے ہوں۔ معلوم ہو گیا کہ ایمان پر خاتمہ نہیں ہوا تو بعدِ موت اس کے لئے دُعا جائز نہیں اور اگر کوئی دُعا کرے تو کوئی فائدہ نہیں۔

اِیمان پر خاتمہ ہونے کی دُعا

مذکورۂ بالا تفاصیل سے ثابت ہوا کہ درحقیقت ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ اسی سے انسانیت اور تمام فضائلِ اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ ایمان ہے تو سب کچھ ہے اور اگر ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں اور صحیح طور پر ایمان لانا، اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا، اُس کی حفاظت کرنا، اُس کے تقاضے پورے کرنا ہر مسلمان کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا حق ہے۔ ایمان کی اس عظمت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر حال میں ایمان کی حفاظت اور ایمان پر خاتمہ کی دُعا مانگتے رہیں۔ اِس دُعا سے غافِل ہونا اخلاقی اور رُوحانی موت کے مترادف ہے۔ ایمان پر خاتمہ کی دُعا سے کبھی غافِل نہیں ہونا چاہیئے۔

نِدائے مؤمِن

عظمتِ ایمان کے سلسلے میں یہ بات بھی توجہ طلب اور اہم ہے کہ قرآن حکیم میں پروردگارِ عالم نے جہاں جہاں بھی اپنے خاص بندوں کو پکارا اور اُن کو مخاطب کیا ہے وہاں یہی فرمایا ہے:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "اے لوگو جو ایمان لائے ہو!"

مؤمنین کی کسی اور صفت کی مناسبت سے ان کا نام لے کر نہیں پکارا مثلاً:- یٰاَیُّھَا المُصَلُّوْنَ "اے نمازیو!"

وغیرہ وغیرہ۔ خُلاصہ یہ کہ ندائے الٰہی مخصُوص ہے مومنوں اور صفتِ ایمان کے ساتھ۔ یہ ندا قرآن پاک میں ۸۸ مقامات پر ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ یٰاَیُّھَا المُؤْمِنُوْنَ کی بجائے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اسی واسطے لایا گیا ہے کہ معلوم ہو جائے ندا کی وجہ ایمان ہے۔

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیّت حاصل ہے

مومنوں کو باری تعالیٰ کا قرب و معیّت حاصل ہوتی ہے۔ جس کو یہ قُرب و معیّت حاصل ہو اس کی عظمت و شان میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ دیکھو:۔

اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

"اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے"

یہ قُرب و معیّت مومن کو عبادات و طاعات اور کثرتِ نوافل کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ مرتبہ ایمان والوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ مشہور حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"مَیں اس کے کان بن جاتا ہُوں جس سے وہ سُنتا ہے اور
مَیں اس کی آنکھیں بن جاتا ہُوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور
مَیں اس کے پیر بن جاتا ہُوں جس سے وہ چلتا ہے"۔

اس قُرب کی دولت ایمان ہے اگر ایمان نہیں تو کوئی کمال رُوحانی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایمان والوں کو فتح و کامرانی کی بشارت

سُورۂ آلِ عمران میں بڑی تفصیل کے ساتھ جنگِ اُحد کا واقعہ بیان

میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ:۔"اور اللہ نے کافروں کے لئے مومنوں پر غالب آنے کی ہرگز سبیل نہیں رکھی ہے۔"

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سچے مومنوں پر کفار و مشرکین غالب آجائیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اپنی غفلت و سستی، فکر و تدبیر میں کمی اور مادّی و سیاسی کمزوری کی وجہ سے سیاسی طور پر مغلوب و مقہور ہو جائیں مگر یہ ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ کفار و ملحدین کا ذہنی، فکری اور تہذیبی غلبہ بھی تسلیم کرلیں۔ ذہنی طور پر ان کے غلام ہو جائیں اور اپنی تہذیب کو ان کی تہذیب پر قربان کردیں۔

اگر ایسا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ فی الحقیقت مسلمانوں میں وہ ایمان نہیں جو قرآن کا مقصود و مطلوب ہے۔ بہرحال قرآن کا اعلان ہے کہ مومن ہی کبھی نہ کبھی کفار پر غالب آکر رہیں گے۔ وہ ذہنی اور روحانی طور پر کبھی اور کسی حال میں بھی کفار سے مغلوب نہیں ہوسکتے۔ یہ ایمان کی عظمت ہے کہ وہ مومنوں کو ہر حال میں غالب رکھتا ہے اور ان کو فتحمندی کی بشارت دیتا ہے۔

ملائکہ مومنوں کو ثابت قدم رکھتے ہیں

یہ ایمان کی نویں عظمت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں بڑے بڑے ایمانی حقائق و معارف کے دریا بہائے گئے ہیں۔ اُحد میں جو مومنوں کو شکست ہوئی تو اس سے مشرکوں کو تو خوشی ہونی ہی چاہیے تھی لیکن منافقوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ اگر آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہوتے تو اس جنگ میں مومنوں کو شکست نہ ہوتی۔

قرآن حکیم نے ان کو یہ جواب دیا کہ اِن نادانوں نے قوانینِ شریعت اور قوانینِ قدرت پر غور نہیں کیا۔ اگر یہ سننِ الٰہی پر غور کرتے تو اُن کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہی نہ ہوتا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

ترجمہ:" اور بودے نہ بنو اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب ہو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

یعنی تمہیں اس لڑائی میں جو زخم پہنچا ہے اس کی وجہ سے تم لڑائی اور اس کی تدبیر کرنے میں بودے نہ بنو کہ لڑائی سے بھاگ جاؤ۔ یا اس کی تدبیر کرنا چھوڑ دو اور اس لڑائی میں جو مسلمان شہید ہو گئے ہیں اُن کی وجہ سے غم نہ کرو۔ اب ارشاد ہوتا ہے:۔ اور تم ہی غالب ہو گے۔ اگر تم مومن ہو۔ یعنی ایمان والو آخری فتح تمہاری ہی ہو گی۔ چنانچہ سورۃ النساء رکوع ۱۹

جنگ بدر کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ۝ (سورہ ۸، رکوع ۲)

ترجمہ:۔" جب تیرا رب ملائکہ کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے ان کو ثابت قدم رکھو میں ان کے دلوں میں جو کافر ہوئے رعب ڈال دوں گا سو تم گردنوں کے اوپر مارو اور اُن کی پوروں پر مارو۔"

یہ میدانِ جنگ کا دوسرا نظارہ ہے۔ پہلا نظارہ وہ ہے جو اس سے پہلی آیت میں دکھایا گیا ہے۔ یہاں عین حالتِ جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔ ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ مومنوں کو ثابت قدم رکھیں اور ملائکہ کا تعلق چونکہ قلب سے ہوتا ہے اس لئے ان کا ثابت قدم رکھنا اسی طرح تھا جیسا کہ زجاج نے لکھا ہے کہ اُن کے دلوں میں ایسا القا کریں جس سے اُن کا عزم پختہ ہو اور ان کی کوشش مضبوط ہو۔

ثابت قدمی کی شرط

مومن کی زندگی سراسر جہد و عمل کی زندگی ہوتی ہے۔ جب وہ ایمانی زندگی

شروع کرتا ہے تو سب سے پہلے اُس کا مقابلہ اپنے نفس سے شروع ہو جاتا ہے اور نفس کے ساتھ جہاد جہادِ اکبر ہے۔ اِس جہاد کی نوعیت یہ ہے کہ انسان کا نفس اُس کو خدا کی نافرمانی اور بُرائی کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور اُس کا ایمان اسکو اطاعتِ الٰہی اور نیکی کی طرف لانا چاہتا ہے۔ اسی کشمکش اور نزاع و تصادم میں مومن کی ساری زندگی مصروف رہتی ہے اور ہمہ وقت اُسے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے خویش واقارب، دوست و احباب، کنبہ و قبیلہ اور قوم و وطن کے غلط جاہلانہ و مشرکانہ رسوم و رواج، غلط عقائد و اعمال، گمراہ کن تصوّرات و نظامات کے خلاف جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ اسی جد وجہد سے وہ روحانی و اخلاقی مدارج و منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یعنی قدم قدم پر اُسے ظلم و استبداد اور بدی کی طاقتوں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ مومن صرف اپنے ایمان و اخلاق کی طاقت سے بدی کی طاقتوں کو شکست دیتا ہے۔

اگر اللہ ان کی مدد نہ کرے اور ملائکہ کے ذریعہ انہیں حق و باطل کی جنگ میں ثابت قدم نہ رکھے تو انسان تو اللہ کی راہ میں ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ جب وہ اللہ کے دین کی حفاظت و اشاعت اور حق و عدل کے قیام میں جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے تو گویا اللہ اسکی مدد کرتا ہے، تو پھر اللہ بھی اُن کی مدد کرتا اور اُن کو راہِ حق میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ چنانچہ

سورۂ محمدؐ میں ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ۔ ( )

ترجمہ:- "اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا"۔

اِس سے آگے یہ بھی سمجھا دیا کہ جو لوگ اپنے کفر پر اڑے رہیں گے بالآخر وہ تباہ و برباد ہونگے اور تم فتحمند و کامران ہو گے۔ اس کی وجہ یہ تبلائی:-

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ؕ (سورۂ محمدؐ)

"یہ اس لئے کہ جو ایمان لائے اُن کا حامی و مددگار اللہ ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں"۔

اِس بات کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یعنی کافر اپنی مادی طاقت اور کثرتِ تعداد پر بھروسہ کرتا ہے اور مومن مادی اسباب و وسائل اور کثرت و قلّت کو نہیں دیکھتا بلکہ خالقِ اسباب پر نظر رکھتا ہے، اُسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اللہ اُن کی مدد

کرتا اور ان کو ثابت قدم رکھتا ہے۔ دولت ایمان سے حاصل ہوتی ہے عظمت بھی ہے۔

اِیمان کی طاقت دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے

کاش اس ایٹمی دور کا مسلمان اِس بات پر یقین کر سکے کہ ایمان کی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اِس طاقت سے وہ آج بھی تمام مادّی طاقتوں کو شکست دے سکتا اور فتح و کامرانی اس کے قدم چُوم سکتی ہے۔

یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے کہ اقوامِ یورپ کی مادّی طاقت دیکھ دیکھ کر سہما جا رہا ہے اور اُس پر مادّہ پرستوں کی ہیبت طاری ہے۔ اس لئے کہ اسکے سامنے یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ دُنیا میں ہمیشہ انبیاء علیہم السلامُ ان کے صحابہ و حواری، صوفیائے کرام، علمائے حق اور مجاہدین حریت صرف ایمان و اخلاق کی طاقت سے دُنیا کی طاغوتی طاقتوں کو شکست دیتے رہے اور ہمیشہ فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔

اِس کتاب کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم عہد حاضر کے مسلمانوں کو اِس حقیقت کی طرف توجّہ دلائیں، اُن کو دعوتِ ایمان دیں اور اُن کی مُردہ رگوں میں خونِ حیات دوڑائیں۔ اگر وہ مذکورۂ بالا تشریح کے مطابق

اللہ کی مدد کریں تو آج بھی اللہ اُن کی مدد کر سکتا اور اُن کو فتح و کامرانی دے سکتا ہے۔

دُنیا میں نافرمان اور سرکش قوموں پر ہمیشہ عذاب نازِل ہُوا اور ایمانداروں کو نجات مِلی

دنیا میں ہمیشہ انبیاء علیہم السّلام آتے رہے اور انسانوں کو خوشخبری دیتے اور ڈراتے رہے۔ خوشخبری اس بات کی کہ اے لوگو! تمہارا معبُود سِوائے ایک اللہ کے اور کوئی نہیں، صِرف اسی کی بندگی اختیار کرو۔ وحی و نبوّت پر ایمان لاؤ اور قانونِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرو۔ تمہیں دنیا میں بھی ترقی و کامیابی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی نجات پاؤ گے۔

اور اگر تم نے وحی و نبوت کو جھٹلایا اور اس کی نافرمانی و سرکشی پر کمر باندھی تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ تمہاری تہذیب اور تمہاری مادی ترقی تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:-

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ج فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

ترجمہ:۔ "اور ہم پیغمبروں کو صرف اسلئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں، پھر جو شخص ایمان لے آئے اور اپنے عقائد و اعمال کو درست کرلے سو اُن لوگوں کے لئے کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے اور جو لوگ میری آیتوں کو جھٹلائیں گے اُن پر عذاب نازل ہوگا۔ کیونکہ وہ نافرمانی اور سرکشی کرتے تھے۔"

سورۃ الاعراف میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:۔

کہ "ہر اُمّت و گروہ کے لئے ایک میعاد مقرر ہے، جب اُسکی میعاد معیّن پوری ہوجائے گی تو پھر ایک ساعت بھی نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔"

قرآن حکیم میں جگہ بہ جگہ بیان کیا گیا ہے کہ بڑی بڑی مہذّب و متمدّن قوموں پر کس کس طرح عذاب آیا اور وہ اپنی نافرمانی اور سرکشی کے سبب ہلاک و برباد ہوئیں۔ مثال کے طور پر سُورۃ الاعراف میں فرمایا:۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ○

ترجمہ:۔ سو وہ لوگ اس کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوحؑ کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جُھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا۔ بے شک

وہ لوگ (اپنی دولت واقتدار کے نشے میں) اندھے ہو رہے تھے۔"

قرآن مجید نے حضرت نوح علیہ السّلام کے قصّے میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا جو ایمان نہیں لایا تھا اور کافروں کا ساتھی تھا، وہ بھی کافروں کے ساتھ ہی غرق ہو گیا۔ باپ کا اُولو العزم نبی ہونا کچھ کام نہ آیا۔

مومن کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی

قرآن مبین نے گزشتہ امتوں، نافرمانوں اور سرکشوں کی ہلاکت و بربادی کی داستانِ عبرت آموز و نصیحت اندوز سنانے کے ساتھ ساتھ اپنے فرماں بردار و اطاعت شعار بندوں یعنی مومنوں کی تسلّی کے لئے فرمایا:-

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ (سورہ ۲۱۔ رکوع ۷)

ترجمہ:- "سو جو شخص اچھے کام کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہوگی اور ہم اسکے لئے لکھ لیں گے۔"

یعنی اگر مومن بھی انبیاء علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر چلیں تو اُنکے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ خدا کی راہ میں کوشش کرنے والا کوئی ہو، اس کی کوشش کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتا ہے اور یہاں مراد ایسی ہی کوشش ہے

جو حق کے پھیلانے سے تعلق رکھتی ہے۔

ایمان سے نیکی میں اضافہ ہوتا ہے

اِس کے ساتھ ہی قرآن پاک نے مومنوں کی یُوں حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے کہ ایمان کی وجہ سے ایک نیکی میں دس گنا سے لے کر سو اور سات سو گنا تک اضافہ ہوتا ہے۔ جتنا جتنا اُس کا خلوص و شعور بڑھتا جاتا ہے اُس کی نیکی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ پُری کے طور پر چند مقرر مذہبی اعمال انجام دے دینا ہی حقیقی نیکی نہیں ہے بلکہ حقیقی نیکی وہ ہے جس کا بیان سورۂ بقرہ کی آیت میں یُوں کیا گیا کہ:-

"مشرق و مغرب کی جانب رُخ کر لینے کا نام ہی نیکی نہیں بلکہ حقیقی نیکی خدا، رسُول، آخرت، فرشتوں وغیرہ پر ایمان اور خلوص نیت سے خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے اور نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مصیبت میں صبر کرنے میں ہے انہی صفات سے متصف لوگ اہلِ صدق اور اہلِ تقویٰ ہیں"۔

غرض ایک مومن جتنی زیادہ ان عقائد و اعمال کی پابندی کرتا ہے اُسکی نیکی

میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

شفاعت ایمانداروں کی ہوگی

ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم شافعِ محشر ہیں۔ آپ قیامت کے دن گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ یہ مسئلہ برحق ہے۔ اس پر مضبوط ایمان رکھنا چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شفاعت صرف ایمانداروں کی ہوگی۔ ارشادِ باری ہے:۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ○ (سورہ ۲۰۔ رکوع ۵)

ترجمہ:۔ "اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے لئے بولنا پسند کر لیا ہو"

اس سے مراد مومن ہے کہ شافعین کو اس کی سفارش کی اجازت ہوگی اور اس باب میں شافع کا بولنا پسندیدہ حق ہوگا اور کفار کے لئے کسی کو سفارش کی اجازت ہی نہ ہوگی۔

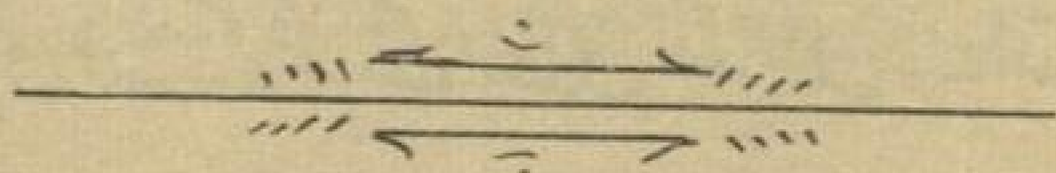
سورۂ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا

لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○

ترجمہ:- "(وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ اُن کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور وہ بجز اسکے جس کے لئے شفاعت کرنے کی خدا تعالےٰ کی مرضی ہو اور کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے اور وہ اللہ تعالیٰ ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان ہی تمام نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل نیک عمل نہیں کہلا سکتا۔ اللہ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص حقیقت میں نیک بن ہی نہیں سکتا، اُسکے اعمال خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ نظر آئیں یہ ہے ایمان کی عظمت۔ اسی میں مومن کی عظمت و شان پنہاں ہے اور یہی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اُس کو نظر انداز کر کے اصلاح و انقلاب کی تمام کوششیں بیکار و لایعنی ہیں۔



باب اوّل

حقیقتِ ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِکْرَامِہٖ وَاَفْضَالِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

امابعد جو چیز انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتی، خدا سے صحیح تعلق پیدا کرتی اور اخلاق و رُوحانیت کا راستہ بتاتی ہے وہ ایمان ہے۔ اسی لئے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے اُن سب کا ہر زمانے کے انسانوں سے سب سے پہلا مطالبہ یہی رہا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ یہی بات دُوسرے لفظوں میں یُوں کہی کہ اے لوگو! صِرف ایک اللہ کی بندگی اختیار کرو، اللہ کے سِوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور اللہ پر ایمان لانے اور اس کا بندہ بننے کا صحیح اور واحد طریقہ یہ ہے کہ اسی کی اطاعت و تابعداری کرو۔ ہر نبی اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں سے اللہ ہی کی بندگی کرانے آیا۔ چنانچہ سورۃ النساء پارہ ۵، رکوع ۸ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ

ترجمہ: "ہم نے جو رسول بھی بھیجا اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔"

یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لئے نہیں آتا ہے کہ بس اس کی رسالت پر ایمان لے آؤ اور پھر اطاعت جس کی چاہے کرو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ خدا کی طرف سے لیکر آتا ہے، تمام انسانوں کے گھڑے ہوئے قوانین اور رسوم و رواج کو چھوڑ کر صرف قانونِ الٰہی کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہی پر عمل کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو پھر اُسکا محض رسُول کو مان لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

کاش ہمارے سیاسی رہنما اور مذہبی پیشوا اس حقیقت کو سمجھیں کہ ہمارے ایمان و اسلام کا تقاضا کیا ہے۔ اسی غرض کے لئے محض حسبۃً لِللہ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور عوام و خواص کے ہاتھوں تک پہنچائی جا رہی ہے کہ ہم اپنی زندگی اور اسلامی نظام کی اس حقیقت کو سمجھیں، کہ قانونِ الٰہی کی پوری اطاعت کئے بغیر عند اللہ ہمارا دعویٰ ایمان سچّا ثابت نہیں ہو سکتا۔ صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے زندگی کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ یہی ہے۔

ایمان کے معنٰے صرف زبانی اقرار نہیں بلکہ دل سے یقین کرنے کے ہیں

ایمان کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس نے

ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ وایمان بکتب اللہ اور ایمان بالآخر ان پانچوں ارکان کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ○ (سورۃ النساء پارہ ۵۔ رکوع ۱۹)

ترجمہ: "اے ایمان لانے والو! مضبوط ہو جاؤ ایمان لانے میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور روزِ آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دُور نکل گیا۔"

اصل میں ایمان قلب کا فعل ہے اور اسلام اعضاء وجوارح کے عمل کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں یُوں سمجھئے کہ ایمان علم ہے اور اسلام عمل، ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کتاب وسُنّت کے مطابق علم وعمل کا نام ہے۔ علم وعمل دونوں ہونے چاہئیں اسلئے کہ ہمارے دلوں میں ایسا ایمان ہو جو دل میں یقینی کیفیت پیدا کرتا ہو اور اطاعتِ الٰہی کا جذبہ اُبھارتا ہو۔ اسلامی زندگی کا تخم ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ اس کے برگ وبار ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ ایک یقین تو فلسفیانہ ہوتا ہے اور ایک یقین وہ جو اسلام کی صحیح تعلیم و تربیت اور بزرگانِ دین کی صحبت اور معیّت سے حاصل ہو۔ اِن دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، یہ وہی سمجھ سکتے ہیں جو گہری دینی بصیرت رکھتے ہوں۔ اگر علمی رنگ میں اس یقین کو سمجھنا ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اِس ارشادِ گرامی کو سمجھئے۔ آپ کا ارشاد ہے:-

لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُّ یَقِیْناً ط

"اگر پردہ اُٹھا دیا جائے تب بھی میرے یقین میں زیادتی نہ ہو گی"۔

یعنی اب تو ہماری آنکھ پر اور دل و دماغ پر مادّے کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور خواہشات کے حجاب حائل ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کو اس مادّی آنکھ سے، عذابِ قبر کو اور عالمِ آخرت، جنّت و دوزخ کو نہیں دیکھ سکتے، مگر مجھے عالمِ غیب پر اور ذاتِ باری پر ایسا غیر متزلزل ایمان و یقین ہے کہ اگر یہ تمام پردے اور حجابات دُور ہو جائیں اور مَیں کھُلّم کھُلّا خدا کو اور آخرت کو دیکھ لُوں تب بھی میرے یقین میں کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی۔

سُبحان اللہ کیا ایمان تھا حضرت علیؓ کا، صدیق اکبرؓ کا، فاروق اعظمؓ کا، عثمان غنیؓ کا اور تمام مخلص صحابہؓ کا، اگر اس کی ایک رتّی بھی ہمیں مل جائے اور اس کو دنیا کے تمام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو ہم خاک سے اٹھ کر افلاک پر پہنچ جائیں اور دنیا کی سب سے بڑی مادی و روحانی طاقت بن کر اقوامِ یورپ پر

چھا جائیں۔

قرآن مسلمانوں سے کس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے؟

جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا، جس کی فائز المرامیاں وشادکامیاں دنیا والوں نے کبھی دیکھی تھیں اور جن کو ہم آج بھی تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں، جس کا مظاہر تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین اور مجددّ دین اسلام ہر زمانے میں کرتے رہے۔ جس کی زندہ تصویریں ہمارے اندر آج بھی خال خال پائی جاتی ہیں اور جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ایک مختصر اور سادہ سے جملے میں بیان کر دیا جس کا ذکر تفصیل سے گذر چکا۔

اس سلسلے میں اتنی بات سمجھ لینی اور یاد رکھنی چاہئے کہ ایمان صرف زبانی اقرار اور بے سوچ سمجھے توحید و رسالت کی گواہی کا نام نہیں بلکہ دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ اقرار اس کا اظہار اور ظاہری انقیاد کو اسلام کہتے ہیں۔

قلبی تصدیق سے مراد ایسی تصدیق ہے جس میں کوئی شک وریب اور تذبذب وتزلزل نہ رہے، دل میں پورے طور پر یقین واعتماد ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا گناہوں سے مومن اس طرح بچے جس طرح سانپ یا آگ سے بچتا ہے، ہر وقت خدا سے ڈرتا رہے گا۔ نہ دنیا کے لئے دین واخلاق کے تقاضوں کو نظر انداز کریگا۔

اور نہ فکرِ آخرت میں دنیوی تقاضوں سے تغافل برتے گا، دنیا و آخرت اور ظاہری شریعت اور رُوحانیت میں ربط و توازن قائم رکھے گا، اسی کا نام کامل الایمان ہے۔

قرآنی الفاظ میں ایمان کی تصویر

پہلا تصور و یقین جو مومن کے قلب و ذہن میں ہر وقت کارفرما رہنا چاہیئے یہ ہے:۔

(۱) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ — اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کبھی تم ہو۔

(۲) وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ — وہ سینوں کے چھپے ہوئے تمام بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

(۳) نیز ارشاد باری ہے" جہاں بھی تین اشخاص کا مجمع ہو چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، اور اگر پانچ کا مجمع ہو تو چھٹا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

اسی طرح متعدد مقامات پر متعدد آیات میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایمان ایسے یقین کامل کا نام ہے جو مومن میں اس قدر صبر و استقامت کا جذبہ پیدا کر دے کہ اس کو دنیا کی کسی بھی طاقت کا خوف راہِ حق سے منحرف نہ کر سکے اور کوئی اسے نہ خرید سکے۔ دنیا جہان کے مصائب و آلام کا اُس پر ہجوم ہو مگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہے۔ حقیقی ایمان خوفِ غیر اللہ کو سینے سے نکال دیتا ہے، اور اُس کی جگہ خوفِ الٰہی پیوست کر دیتا ہے۔ وہ اگر ساری دنیا میں اکیلا

بھی ہو تو ساری دنیا کی طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ زمانے کے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیتا ہے، اُسکے نعرۂ تکبیر سے جبر و استبداد کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا ہے، طوفان کے دل دہل جاتے ہیں، سیلاب تھم جاتے ہیں، ہواؤں کا رُخ بدل جاتا ہے اور نفس و شیطان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اِن تمام تفصیلات سے پوری وضاحت ہو گئی کہ ایمان یقین کامل کا نام ہے

مُومن کسے کہتے ہیں؟

جو اپنے رب اور اپنے معبود سے مضبوط رشتہ پیدا کر کے بالکل مطمئن ہو، اپنی خواہش و رائے کو حکمِ الٰہی پر قربان کر دے۔ اپنی جان، اپنے مال، اپنی راحت، اپنی عزّت اور اپنی ہر پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کر دے اور پھر بھی یہ سمجھے کہ میں نے اپنے مومن اور اللہ کا بندہ ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ زندگی اور تمام سامانِ حیات اُسی کا بخشا ہوا تھا اگر میں نے اسی کو قربان کر دیا تو میں نے کیا دیا، میرے پاس میری اپنی تو کوئی چیز بھی نہیں جس کو دیکر میں اپنی زندگی کا حق ادا کروں۔

یہ ہے مومن کا جذبہ، مومن کی ذہنیت اور مومن کا کردار، اُسکی عظمت و شان اور اُس کا طرۂ امتیاز۔

کسی شخص کے مومن کہلانے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ وہ صِرف

زبانی اقرار و اعتراف پر اکتفانہ کرے بلکہ دل سے اس بات کو پوری طرح مان

بھی لے اور اس کا کامل یقین کرے جس کا زبانی اقرار و اعتراف کیا ہے۔

اگر وہ صرف زبانی اقرار پر اکتفا کرتا ہے، اُس کا دل اُس کی زبان کا ساتھ

نہیں دیتا تو وہ اُن لوگوں میں شمار ہوگا جن کے بارے میں ارشادِ باری ہے:۔

یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ط

" وہ اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں"۔

اِس آیت کریمہ کے آخر میں اعلان فرمایا:۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○

"اور وہ لوگ (حقیقت میں) مومن نہیں"۔

یہی بات سورۂ بقرہ میں یوں بیان فرمائی:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ

بِمُؤْمِنِیْنَ ○ (سورۃ البقرہ پارہ ۱، رکوع ۲)

" بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر

ایمان لائے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں"۔

مُنافق کی تعریف

اصل میں اس بات میں منافقین کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ منافق وہ ہے جو

زبان سے اللہ و آخرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا نہ وہ سچے دل سے مومن ہوتا ہے اور نہ پورے طور پر کافر ہوتا ہے۔ وہ کفر و ایمان کے درمیان کی روش کا آدمی ہوتا ہے۔ جب اس کے اغراض و مفاد اسلام سے وابستہ ہوں تو وہ اسلام کا عاشق بن جاتا ہے اور جب اسے کافروں سے ملنے میں فائدہ نظر آتا ہو تو ان کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ وہ نہ مومن ہوتا ہے اور نہ کافر، وہ تو صرف اپنے اغراض و مفاد کا پجاری اور نفس پرست ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رہے وہ منافق جو عہدِ نبوّت میں تھے اور جن کا ذکر قرآن میں جگہ بجگہ ملتا ہے، وہ تو اُسی زمانے میں ختم ہو گئے۔ ہاں ان کے مکروہ کردار باقی رہ گئے۔ اگر وہی ذہنیت و سیرت اب بھی کسی نام نہاد مسلمان میں باقی جائے تو اُس کا حکم بھی وہی ہوگا جو عہدِ نبوت کے منافقوں کا تھا۔ لیکن ہم کسی کو منافق جب کہہ سکتے ہیں جب اس کے حق میں کوئی ارشادِ خدا یا ارشادِ رسول ہو

قُرآن نے نفاق کو دل کی بیماری کہا ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جو انسان کے ایمان و اخلاق کو گھُن کی طرح لگ جاتی ہے۔ طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں اور خرابیاں پیدا کرتی ہے، امراضِ قلبی کو جنم دیتی ہے اور انسان کو ابن الوقت بناتی ہے اور بالآخر وہ ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے۔

مُنافِق معاشرے میں بے نقاب ہو کر رہتا ہے

اوپر والی آیت کے بعد اگلی آیتوں میں منافقوں کی اچھی طرح قلعی کھولی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ منافق اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مُبتلا کر لیتے ہیں کہ مومنانہ اور کافرانہ طریق حیات کو چھوڑ کر منافقانہ روش اختیار کرنا ہمارے لئے مفید و کار آمد رہے گا۔ حالانکہ یہ روش ان کو دنیا میں بھی نقصان پہنچاتی اور آخرت میں بھی نقصان پہنچائے گی۔ مگر وہ ایسا احمق و نادان ہوتا ہے کہ اُس کی نظر حقیقت اور انجام و مآل تک نہیں پہنچتی۔ باوجود اِس نادانی کے وہ اپنے آپ کو بڑا چالاک و ہوشیار اور مکار و فریبی سمجھتا ہے۔ اس فنِ نفاق میں ماہر سمجھتا ہے۔ دنیا میں چند روز کے لئے لوگوں کو دھوکہ دے جاتا اور اپنا کام بنا لیتا ہے۔ مگر ہمیشہ اس کا دھوکہ نہیں چل سکتا۔ آخر کار وہ بے نقاب اور ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے۔ ہم عرصۂ دراز سے اپنے یہاں یہ تماشہ دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ زبانوں پر اسلام ہے لیکن دلوں اور زندگیوں میں اسلام کا نشان تک نہیں ملتا۔ صورتیں اور سیرتیں پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ اسلام سے ہمارا کیا تعلق؟

معاشرے میں منافق کی کوئی ساکھ باقی نہیں رہتی۔ دنیا میں اس کو منافقانہ رَوِش کی خوب سزا ملتی ہے۔ رہی آخرت تو وہاں ایمان کا زبانی دعویٰ کوئی

قیمت نہیں رکھتا۔

مقبول ایمان کی نشانی

مقبول ایمان وہ ہے جو شعور ویقین کامل کے ساتھ قلب میں پایا جائے، وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام وقوانین پر پختہ اعتماد رکھتا ہو کہ ان پر عمل پیرا ہونے میں ہماری دنیوی ترقی اور اُخروی نجات کا انحصار ہے۔ پھر وہ خواہشاتِ نفسانی کے مقابلے میں احکامِ الٰہی میں سرگرم ہونے کا داعی، محض رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ اور اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کا ولولہ رکھتا ہو، وہ اللہ سے شدید محبت رکھتا ہو، اللہ کا رسول اس کو اپنی جان و مال، راحت وآسائش اور دنیا بھر کی دولت واقتدار سے زیادہ پیارا ہو۔ ہر حال میں حکمِ الٰہی پر ثابت قدم رہے۔ کسی مقام اور کسی حال میں بھی اس کے پائے استقامت میں لغزش اور تزلزل نہ آنے پائے۔

یہ نری لفاظی اور شاعری نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ سب کچھ کر دکھایا تھا اور ان کے بعد ہر دور میں اب تک مجدّدین ومصلحین، ائمہ مجتہدین، علمائے حق اور اولیاء عظام اسی ایمان کا مظاہرہ کرتے اور نمونہ دکھاتے چلے آرہے ہیں۔

ایک اور قابلِ غور وضاحت

ایمان کا دارومدار کمزور وضعیف دلائلِ عقلیہ پر نہ ہو کہ اگر مومن کے کسی عقیدے کے خلاف ظاہری قوی دلائل پیش کیے جائیں تو وہ کسی باطل کے سامنے سپر ڈال دینے پر اپنے آپ کو مجبور پائے یا اس کا ذہن وفکر اور قلب و نظر تشکیک وتذبذب کا شکار ہو جائے یا پھر ایمان ویقین اور اضطراب و تفکرات کی مخلوط کیفیتوں کی آماجگاہ بن جائے اور وہ نام نہاد مومن اوہام وظنون اور شک وریب کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔

حقیقی اور کامل ایمان کبھی بھی اور کسی حال میں بھی باطل سے مرعوب ومتأثر نہیں ہوا کرتا، مومن کی فراست حکمت اور دانش بے پناہ وسیع اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔ اُس کی نظر ہر حقیقت پر پہنچتی ہے، ظاہر کے پردوں میں الجھ کر نہیں رہ جاتی، اُس کی آہِ فلک رسا اور اُس کا نعرہ لرزہ فگن ہوتا ہے، وہ بے بنیاد عقلی دلائل کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیتا ہے، وہ اوہام وظنون اور جذبات کے سیلاب میں نہیں بہہ جاتا، نہ بے موقع ومحل اس کی آتشِ غضب بھڑکتی ہے اور نہ وہ کسی کی اندھی محبت وعقیدت کے فریب میں آیا کرتا ہے، نہ وہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکہ میں آتا ہے، اُس کو جہاں نرم ہونا چاہئے وہ وہاں نرم ہوتا ہے اور جہاں سخت ہونا چاہئے وہاں سخت ہوتا ہے، ہر حال اور ہر مقام

ہیں اس کی نظر مادیات کے پردوں کو چیرتی ہوئی خدا تک پہنچ جاتی ہے، وہ خداتعالیٰ کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور رحمت کو کائنات کے ذرّے ذرّے میں دیکھتا ہے، سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا، سوائے خدا کی بندگی کے کسی کی بندگی نہیں کرتا اور سوائے خدا کے کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔

یہ ایمان کے وہ آثار و خواص ہیں جو سچّے، کھرے اور کامل ایمان سے کبھی دور نہیں ہو سکتے، مومن اِن خصوصیات اور مقومات کا مظہر ہوتا ہے، اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے، اگر آگ جلانے اور حرارت دینے کا کام نہ کرے تو وہ آگ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ پانی اگر پیاس نہ بجھائے تو وہ پانی نہیں، اِسی طرح اگر ایمان کے مذکورہ بالا خواص ولوازم ظہور میں نہ آئیں تو وہ کامل ایمان نہیں بلکہ دل بہلاوا، نظر کا دھوکہ اور نفس کا فریب ہے۔ ایمان کی طاقت اور اس کی کیفیت کو بھلا ہم کیا جانیں۔ (یعنی کامل ایمان)

آئیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکارِ جمیل سے اپنے ایمانوں کو پختہ و تازہ کریں اور ایمان کی کیفیت کا کچھ اندازہ لگائیں۔

غارِ ثور اور کامل ایمان کا مظاہرہ

ہمارے لئے حضورؐ کی حیاتِ طیّبہ اور آپ کے تیار کردہ صحابہؓ کا اسوۂ ایمان واسلام کا منبع اور مرکزِ حیات ہے، جوں جوں ہم اِس منبع اور مرکزِ حیات سے

دُور ہوتے جائیں گے ہمارے ایمان مُردہ ہوتے جائیں گے اور ہم خاک کا ڈھیر بنتے جائیں گے۔

یہ کتاب اسی لئے لکھی گئی اور مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں تک فی سبیل اللہ پہنچائی جا رہی ہے کہ وہ اس منبعِ نور اور مرکزِ حیات تک آئیں اور وہ صحیح معنوں میں مومن و مسلم بن جائیں۔ مگر آہ ہم مسلمانوں کو اس بے دین سیاست، مغربی جمہوریت اور تہذیبِ مغرب نے اس قابل رکھا ہی کہاں ہے کہ ہم ایمان و اسلام کی کسی حقیقت کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ بہرحال ہمارا فرض تو یہ ہے کہ آوازِ حق لوگوں کو سناتے چلے جائیں اور ایمان و اسلام کی راہِ راست کی طرف بُلاتے چلے جائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

ذرا دل کی آنکھ کھولئے اور دیکھئے کہ ہجرت کا انقلاب آفریں واقعہ ہے۔

بپھرا ہوا کفر اپنی روایتی "کھسیانی بلّی کھمبا نوچے" والی فطرت سے مجبور ہو کر رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، اشرف الانبیاء، کائنات کی رونق و زینت اور دنیا کے محسنِ اعظم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہے اور پروردگارِ عالم اپنے حبیب کو بچانے کے لئے اپنی قدرت کی ایسی شان دکھا دینا چاہتا ہے کہ مادہ پرستی پر موت طاری ہو جائے، کافر دم بخود، ششدر اور خائب و خاسر ہو کر رہ جائیں اور مسلمان قیامت تک ایمان کی حقیقت و کیفیت حاصل

کرتے رہیں۔

آفتابِ رسالت غارِ ثور میں جلوہ فگن ہیں، کفار و مشرکین آپ کے تعاقب میں غار ثور کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں اور قریب ہے کہ کفار کا ہاتھ ایمان تک پہنچ جائے۔ حضورؐ تو کوہِ استقامت بنے ہوئے بالکل مطمئن تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، صدیق ہی تو تھے نبی تو نہ تھے ایک نبی اور وہ بھی خاتم النبیین اور امام الانبیاء کے ایمان کو کہاں پہنچ سکتے تھے، ڈر گئے اور سہم گئے۔ یہ بشری تقاضا تھا، جو دنیا کے مسلمانوں کو سبق دے گیا کہ بندہ خواہ کتنا ہی مقامِ قرب و عبدیت حاصل کرلے وہ بندہ بہرحال بندہ ہی رہتا ہے اور بندہ بھی وہ کہ فرشتے بھی اُس کے در کی دربانی کریں اور فلک بھی اُس کے قدم چومے۔

صدیق اکبرؓ نے بصد ادب و عقیدت عرض کیا حضورؐ اگر انہوں نے ذرا بھی نظر نیچی کی تو یہ ہم کو پالیں گے، کتنا نازک، ہیبت ناک اور لرزہ فگن لمحہ تھا مگر حضورؐ کے پائے استقامت اور ایمان باللہ میں ذرا بھی جنبش نہ آئی۔ فرمایا:-

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ط

"اے صدیق! کوئی فکر کی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے"

جب وہ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کیا فکر۔ یہ سُن کر عقلِ انسانی جھوم گئی اور ایمان کے قدموں پر آپڑی۔ قرآن پاک کے اِن الفاظ میں جو جامعیت اور حکمتیں پنہاں ہیں اور ان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو فضیلت نکلتی ہے اسکو

اپنی جگہ رہنے دیجئے اور حدیث کے الفاظِ مبارکہ بھی سن لیجئے۔ حدیث میں آیا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا

"اے ابو بکر صدیقؓ! تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا خیال و گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہو"

کیا ٹھکانہ ہے اِن دو گرامی قدر ہستیوں کا جن کے قدموں پر تمام خوبیاں، کمالات اور فضیلتیں قربان ہو گئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایمان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اُمت کو لے کر چلے اور آپ کے تعاقب میں فرعون بھی اپنی فوج لے کر پہنچ گیا۔ آگے دریا تھا اور پیچھے فرعون اور اسکی فوج۔ اب یہاں عقل کیا کرتی۔ ایمان ہی کام آیا۔ قرآنِ حکیم کا بیان ہے:۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝

(سورہ ۲۶۔ رکوع ۴)

ترجمہ "پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰؑ کے اصحاب نے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے"۔

یعنی فرعون اب ہمیں پکڑے گا اور ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اب کیا بنے گا؟

حضرت موسٰی علیہ السّلام نے پورے اطمینان واعتماد کے ساتھ فرمایا:۔

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ○

"ہرگز ہم کو نہیں پکڑ سکتا۔ یقیناً میرا پروردگار میرے ساتھ ہے"

یعنی ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ فرعون ہمیں پکڑ لے، اُس کی کیا طاقت ہے۔ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے جس کی کائنات کے ذرّے ذرّے پر حکومت ہے، جسکے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے' وہ مجھے راہِ نجات دکھائے گا۔ دنیا دیکھے گی اور قیامت تک یاد رکھے گی کہ ایمان اسے کہتے ہیں' معجزہ اِس کا نام ہے اور مومنوں کو اللہ پر ایسا ایمان رکھنا چاہیئے۔

ایک عارفانہ رمز واشارہ

حضرت موسٰی علیہ السلام نے بصیغہ واحد فرمایا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہمارے ساتھ ہمارا پروردگار ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں اپنے سب سے بڑے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے فرمایا تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی وجہ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے اصحاب میں بعض لوگ منافق بھی تھے اور مخلص مومن بھی' اس لئے موسٰی علیہ السّلام کا یہ کہنا کہ ہمارا پروردگار ہمارے ساتھ ہے بے مناسب اور بے محل تھا۔ بجائے اس کے یہ فرمایا کہ "میرا پروردگار میرے ساتھ ہے"

حضرت ابوبکر صدیق رضی ایمان واخلاص کے درجۂ کمال پر تھے، حضورؐ کو اُن کے
ایمان واخلاص پر کامل یقین واعتماد تھا اس لئے فرمایا" اللہ ہمارے ساتھ ہے"
اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت وبرتری قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔
اب قیامت تک تمام دنیا کے انسان مل کر بھی آپ کے کامل ایمان واخلاص
میں کوئی کلام نہیں کر سکتے۔

اللہ کِن کے ساتھ ہوتا ہے؟

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت کس کو حاصل ہوتی
ہے؟ یہ بہت بلند مقام اور ایمان کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی
تفسیر کو اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں سمجھنا چاہئے:۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○

(سورۂ نحل۔ آخری آیت)

"یعنی بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو متقی اور مخلصین ہیں۔"

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت اللہ کے اُن بندوں کو حاصل ہوتی ہے جو متقی
اور نیکوکار ہوں۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ سے ڈرنا، نواہی سے اجتناب کرنا، اور
فکرِ آخرت کا ثبوت دینا۔ نیکوکار وہ ہے جو بقدرِ امکان اعمال صالحہ کا عامل ہو۔
خلاصہ یہ کہ اللہ کی معیّت تقویٰ اور اعمالِ صالحہ سے میسّر آتی ہے اور جس کو

اللہ کی معیّت حاصل ہو ساری دنیا کے انسان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آئیے اب اصحابِ طریقت کے ذکر سے بھی اپنے ایمانوں کو تازہ اور پختہ کرلیں۔ اِن برگزیدہ بندوں کا تو کہنا یہ ہے ؎

بہر چیزے جمالِ یار دیدم ؎ بہر سو جلوۂ دلدار دیدم

ہم تو ہر چیز میں اللہ ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں اور ہر طرف اسی کی قدرت و رحمت کے آثار دیکھتے ہیں۔ ہم عالمِ فانی میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہماری فکر و نظر سے اوجھل اور حجاب میں ہے۔ معرفت کے کوچہ سے بالکل نا آشنا حقیقت سے بہت دُور اور اللہ کی بندگی سے نفور۔

اصحابِ طریقت و معرفت بھی اسی عالمِ فانی میں ہوتے ہیں مگر کیا مجال دنیا کی کوئی حسین سے حسین چیز اور محبوب سے محبوب چیز اللہ کی یاد اور اُسکے ذکر و فکر سے غافل کر سکے اور اُن کے دل میں جگہ پا سکے۔

وہ دنیا میں رہتے اور دنیوی حقوق و فرائض ادا کرتے ہوئے بھی گویا دنیا میں نہیں رہتے، نہ وہ کسی سے ڈرتے ہیں، نہ غمگین ہوتے ہیں اور نہ وہ کسی کے محتاج و دست نگر ہوتے ہیں اور وہ مسِ خاک کو کندن بنا دیتے ہیں۔

اصحابِ طریقت اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق یہ ہے کہ ہم عالمِ فانی میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات حجاب میں ہے۔ اصحابِ طریقت اِس عالمِ فانی سے گذر گئے اور اس کے شغل سے پاک ہو گئے۔ ان کو قلب کی آنکھ

یعنی نورِ بصیرت سے ہر چیز میں اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت ہی کے جلوے نظر آتے تھے مگر ہماری آنکھوں پر مادّیات و خواہشات کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم دِل کے اندھے ہیں، ہم میں وہ نورِ بصیرت کہاں، اسی کو حاصل کرنے کے لئے پیرِ طریقت کی ضرورت ہے۔ اہل اللہ کی صحبت و معیّت اور تعلیم و تربیت ہی سے دل کی آنکھ کھلتی ہے۔

وُہ صفاتِ الٰہیہ جن پر ہمارا پختہ ایمان و یقین ہونا چاہئے

(۱) اللہ تعالیٰ قدیم ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جس طرح اس کی ذات پاک قدیم ہے اسی طرح اس کی تمام صفات بھی قدیم ہیں۔

(۲) وہ قیوم ہے۔ یعنی اپنی ذات سے قائم ہے، وہ اپنے قیام میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ اُس کے سوا کائنات کی ہر چیز اور ہر شئے اپنے قیام میں اسکی محتاج ہے، وہ غنی اور بے نیاز ہے اور ہم سراپا محتاج، وہ خالق ہے اور ہم مخلوق، وہ رَبّ ہے اور ہم مربوب، وہ معبُود ہے اور ہم عابد اور وہ مالک ہے اور ہم مملوک۔

(۳) اُس کا خالق و رازق ہونا، رحمٰن و رحیم ہونا، مالک و رب ہونا اور غفار و غفور

ہونا، یہ تمام صفتیں قدیم ہیں۔ اُس کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْئًا

"یعنی ازل میں صرف ایک اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی"

ایک سوال

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق قدیم، مخلوق، حادث (حادث وہ چیز جو پہلے نہ تھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی)، رازق قدیم اور مرزوق حادث اور صانع (بنانے والا) قدیم اور مصنوع حادث یہ بات اِس مادہ پرستی کے زمانہ میں کچھ خلافِ عقل سی نظر آتی ہے اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کچھ بھی نہ تھا تو یہ دنیا کیسے پیدا ہوئی؟ جب یہ عالم بنا تب ہی تو وہ خالق ہوا، جب اس نے اپنے بندوں کو رزق دیا تب ہی تو وہ رازق اور رب کہلایا، اس لئے مخلوق کو بھی قدیم ہونا چاہئے؟ یا صفات کو حادثہ ماننا چاہئے۔

جواب

ہر صفت کے ۲ دو پہلو ہوتے ہیں (۱) صفت کا وجود اور (۲) صفت کا ظہور۔ اِن دونوں باتوں کو سمجھئے۔ ایک شخص کاتب ہے، صفت کا مرتبۂ اوّل یہ ہے کہ کتابت

اُس میں موجود ہے۔ جب یہ کوئی کتاب لکھے گا تب کتابت کا ظہور ہوگا۔ یہ مرتبہ دوئم ہے۔ کسی چیز کا موجود ہونا اور بات ہے اور اُس کا ظہور پذیر ہونا یہ دوسری بات ہے۔ اِس زمانے کے دانشور ان دونوں باتوں میں فرق و امتیاز نہیں کرتے اور اپنی لاعلمی و کوتاہ فہمی سے شکوک و شبہات کے میدانوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے، رازق ہے، رحمان و رحیم ہے غفار و غفور ہے تخلیقِ عالم سے پہلے اُس میں یہ صفات موجود تھیں مگر اُن کا منظر اور ظہور نہ تھا جب اُس قادر و حکیم نے لفظِ "کُن" سے کائنات کو پیدا کر دیا تو اُن تمام صفات کا ظہور ہو گیا۔ اس کی دلیل اور اِس کی مثال اس حدیثِ مبارک سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور اپنے ایمانوں کو تازہ و پختہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

کُنتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ

"یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جس وقت حضرت آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان ہے۔"

دُنیا جانتی ہے کہ آپ کو چالیس سال کی عمر میں غارِ حرا میں پہلی وحی کے ذریعہ منصبِ نبوت پر فائز اور سرفراز کیا گیا۔ مگر حضورؐ فرما رہے ہیں کہ آدمؑ سے بھی پہلے نبی تھا۔ مطلب یہ کہ میری نبوت کا وجود علمِ الٰہی میں تھا میں اس وقت بھی تھا۔ غارِ حرا میں کارِ نبوت کا ظہور ہو گیا۔

قدیم کو ازلی و ابدی کہتے ہیں

قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔
اللہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (سورۃ ۱۳ رکوع ۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے جس جیز پر بھی شئے کا اطلاق ہو سکے وہ مخلوق ہے اور اللہ جل شانہٗ اُس کا خالق۔ کوئی چیز بھی اس کی خالقیت سے خارج نہیں۔ اِس دُنیا میں ایسے حکماء و فلاسفر بھی ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جو خدا تعالےٰ کے ساتھ مادّہ اور رُوح کو بھی قدیم مانتے ہیں جیسے یونانی اور ہندوستان کے آریہ وہ خدا، مادّہ اور رُوح تینوں کو قدیم مانتے ہیں۔ یہ گویا تثلیث معنوی کا شکار ہیں اور عیسائی بھی تثلیث کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ بھی تین خدا مانتے ہیں اور یہ بھی باپ، بیٹا اور رُوح القدس تینوں کو ایک اور ایک میں تین کا چکّر چلا کر بڑے بڑے فلاسفروں، سائنسدانوں اور بڑی بڑی ڈگریوں والوں کو گھن چکّر بنائے ہوئے ہیں۔

اِن سب کے متعلق قرآن کا اعلان ہے کہ اُن کے پاس علمِ صحیح اور عقلِ سلیم نہیں، وہ اوہام و ظنون کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔

اسلام کے نزدیک تثلیث کے قائل اور مادّہ کی قدامت پر عقیدہ رکھنے والے کافر بھی ہیں اور مشرک بھی، جب تک وہ وحی و نبوت کی ہدایت و روشنی پر ایمان نہ لائیں گے اُس وقت تک نہ وہ خدا کے متعلق صحیح عقیدہ اور انسان و کائنات کی حقیقت کو نہ پا سکیں گے، یونہی اوہام و خرافات میں بھٹکتے رہیں گے۔

یہ دُنیا مادّے سے نہیں بلکہ کلمۂ کُن سے بنی ہے

عقل پرستوں کو اس مسئلے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہ لگی کہ انہوں نے دیکھا جس طرح انسان مادّے کا محتاج ہے بغیر مادّے کے وہ کچھ بھی نہیں بنا سکتا مثلاً اگر کمہار کے پاس مٹی اور چاک نہ ہو تو وہ کچھ نہیں بنا سکتا، اسی طرح اگر بڑھئی کو لکڑی اور بسولا و آری نہ ملے تو وہ کوئی چیز نہیں بنا سکتا، لوہار کو اگر لوہا وغیرہ نہ ملے تو وہ کسی چیز کی تخلیق نہیں کرسکتا، علیٰ ہذا القیاس درزی کپڑے کے بغیر کوئی کپڑا نہیں بنا سکتا۔ اسی بنا پر ان بوجھ بجھکڑوں نے سمجھ لیا کہ خدا بھی انسانوں کی طرح مادّے اور آلات کا محتاج ہوگا۔ یعنی خدا کو بندے پر قیاس کر لیا اور اس عقیدے کے گھڑنے والے عجوبۂ روزگار بن کر رہ گئے۔ اس غلط فہمی و گمراہی کی جڑ کاٹنے کے لئے قرآن نے اعلان کیا:-

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝ (سورہ ۲، رکوع ۱۴)

ترجمہ "ابتداءً نیا پیدا کرنے والا (بغیر نمونہ) آسمانوں اور زمین کا اور جب فیصلہ یا حکم کرتا ہے کسی کام کا تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔"

یعنی اس کو کسی مادّے اور کسی آلے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ بھی بندے کی طرح

مادّے کا محتاج ہو تو بندے اور خدا میں فرق کیا رہا؟ آسمانوں اور زمین کو اس نے بغیر کسی مادّے کے پیدا کر دیا۔ اُس کا قانونِ تخلیق اور دستورِ تخلیق یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ظہور میں یا وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ علمِ الٰہی میں پہلے سے موجود ہوتی ہے، اُس کو کہتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ یہ عقل میں نہیں آتا کہ عدم سے وجود ہو جائے۔

جواب:۔ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ یہ ادنیٰ مخلوق خالق کی حکمت کو نہیں پا سکتی۔ نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق رکھتی اس کے واسطے تسلیم و رضا کے سوا کچھ نہیں۔ دیکھو ایک ملبہ ڈھونے والا مزدور یہ کہے کہ فلاں وکیل کی فلاں بحث میری سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب دیا جائے گا تو اس کا اہل نہیں ہے۔ حالانکہ مزدور اور وکیل دونوں انسان ہیں۔ کہہ دیا جاتا ہے تم سمجھ نہیں سکتے۔ عقل مخلوق اور حکمت خالق میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ط

(سورہ ۲۰، رکوع ۶)

ترجمہ:۔ "یعنی سب کے چہرے حی و قیوم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔"

ایک سادہ دلیل

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کی خالقیت، انسان کی قدرت و خالقیت سے

بالکل الگ ایک نرالی شان رکھتی ہے۔ ہم اگر ایک معمولی مکان بھی بناتے ہیں تو سب سے اوّل ایک نقشہ بناتے ہیں، معین و مددگار اور مشیر سے کام لیتے ہیں، پھر مادّی چیزوں اور آلات ووسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، وہ کسی معین ومشیر کا محتاج نہیں اور نہ کسی مادی چیز کا دستِ نگر، بس اُس کا قانونِ تخلیق یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اُس سے کہتا ہے "ہوجا"۔ وہ ہوجاتی ہے۔

یہ تمام آسمان، شمس وقمر، ستارے، سیارے اور تمام آسمانی نظام، یہ وسیع وعریض زمین اور اُسکی تمام چیزیں۔ یعنی پوری کی پوری کائنات اس نے محض "کن" سے پیدا کر دی۔ یہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ اور سب سے بڑی حقیقت ہے جس کا انکار عقلِ انسانی کر ہی نہیں سکتی۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بس اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ یہ آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں پیدا کر دیں اور وہ اب کاروبارِ حیات سے فارغ ہو بیٹھا نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا ایک مستقل قانون تخریب وتعمیر ہے، اس کی خالقیت کا ظہور اب بھی کائنات کے ذرّے ذرّے سے نمایاں، اشیاءِ عالم بن رہی ہیں اور مٹ رہی ہیں، کائنات کی ہر چیز میں قانونِ ارتقا کام کر رہا ہے۔ دم بہ دم اس کی خالقیت کا ظہور ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اسکی

کوئی صفت معطل نہیں، صرف وہی مدبر السمٰوات والارض ہے، کائنات کا پورا نظام اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، ایک ذرّے کو بھی اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں۔

شانِ خالقیّت

پر ایمان لانے اور اُس کی قدرت وحکمت کے جلوے دیکھنے کے لئے قرآن پاک میں مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ زمین وآسمان اور تمام اشیاءِ عالم پر غور وفکر کرتے اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو سب سے بہتر بنانے والا ہے تو نے کوئی چیز بھی بیکار اور فضول نہیں بنائی، ہر چیز میں کوئی نہ کوئی حکمت اور نوعِ انسانی کے لئے افادیت اس میں پوشیدہ ہے، اس کی ربوبیت و رحمت ہر چیز میں کارفرما ہے۔ مثلاً ارشادِ باری ہے:-

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (پ۷ رکوع ۱۲)

"یعنی جب تم زمین میں دانہ اور گٹھلیاں ڈالتے ہو تو وہ اپنی خالقیت اور قدرت وحکمت سے دانوں اور گٹھلیوں کو چیر کر پودا نکال دیتا ہے۔"

اور انسان اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ دُنیا میں بے شمار قسما قسم کے درخت جھاڑیاں، بیلیں اور جڑی بوٹیاں ہیں، ہر ہر درخت، ہر جھاڑی، ہر بیل اور ہر جڑی بوٹی کے رنگ، برگ وبار اور خواص الگ الگ ہیں، ہر چیز انسان کے کسی نہ کسی کام آتی ہے، عالمِ نباتات کی ہر ہر چیز میں غذائیت اور افادیت ہے،

جس کا علم انسان کو وجد میں لے آتا اور اپنے خالق کا پتہ دیتا اور اُس کی شان کے جلوے دکھاتا ہے۔ جبھی تو انسان کو اُن پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ارشاد فرمایا:۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖ اِذَا اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ (سورہ ۶ رکوع ۱۱)

ترجمہ "پھل کی ابتدا دیکھو اور جب پک کر تیار ہو جائے اس کی انتہا دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ایمان و یقین والوں کے لئے"

یعنی ایک ایک چیز سے اس کی شانِ خالقیت نمایاں ہے۔ اُن کے رنگ، ذائقے اور خواص الگ الگ ایک مستقل عنوانِ غور و فکر رکھتے ہیں۔

کیا بات ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور شانِ خالقیت کی کہ ایک ذرا سا بیج اور اس میں ایک تناور درخت چھپا ہوا ہوتا ہے، پتّوں کے خواص الگ، پھل کے خواص جدا اور جڑ کے فائدے علیحٰدہ، پورے درخت کی ایک چیز بھی تو بیکار نہیں ہوتی پھر عجیب بات ہے بیج کالا اور درخت سبز، پھل اور پھول کوئی گلابی، کوئی سبز، کوئی پیلا اور کوئی آسمانی، رنگ بھی پکّے اور دیدہ زیب، ایک ہی شاخ مگر جڑ کی تاثیر و خاصیت الگ، پتّوں کی تاثیر جدا، ایک شاخ میں مختلف اثرات و خواص، یہ ہے شانِ خالقیت۔

(۵) اللہ تعالیٰ علیم ہے

اُس کا علم قدیم ہے، کوئی چیز اُس کے علم سے خارج نہیں، آسمان کے تارے، سمندر کی

مچھلیاں، جنگلوں کے درخت اور پتّے اور میدانوں کے درخت، کوئی چیز بھی تو اس کے علم سے خارج نہیں خود باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ فرماتا ہے:۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ط (سورہ البقرہ۔ رکوع ۳۳)

"اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اُس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے"۔

اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے۔ یعنی ہر چیز ہر وقت اُس کے سامنے موجود ہے۔ وہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے۔ یعنی وہ خطرات ووساوس اور خیالاتِ انسانی قلوب میں گذرتے ہیں وہ اُن کو بھی جانتا ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ ۝ یعنی باری تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہی وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ج اور سینوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور رازوں سے بھی واقف ہے۔ پس ہر مسلمان کو ایمان رکھنا چاہئیے کہ کائناتِ عالم کے پیدا ہونے سے پہلے اس کو عالم کے ذرّے ذرّے کا علم تھا۔

۶ پروردگارِ عالم سمیع ہے

سننے والا ہے، ہر آواز کو سنتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ (سوہ ۱۳ رکوع ۲) یعنی پست سے پست اور بلند سے بلند آواز اس کے نزدیک برابر ہے، انسان سننے کے لئے کان اور ہوا کا محتاج ہے

مگر وہ بغیر کان کے سنتا ہے۔

قرآن کے اس واقعہ پر غور فرمائیے :-

"جب مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی گئی، چاندی سونے کا چالیسواں حصّہ نصاب مقرر کیا گیا اور حکم مِلا کہ صدقات وخیرات اغنیاء سے لیکر فقراء کو دے دی جائے تاکہ دولت صرف اغنیاء تک محدود نہ رہے بلکہ محتاجوں، مسکینوں اور اپاہجوں میں تقسیم ہوتی رہے، ہوسِ زر اور سرمایہ داری پر سال کے سال ضرب پڑتی رہے اور امراء و غرباء میں وہ مذہب و اخلاق سوز جنگ نہ ہو جو آج ساری دنیا میں برپا ہے"۔

منافقین کو یہ بات ناگوار گذری، چپکے چپکے آپس میں کانا پھوسی اور سرگوشیاں ہونے لگیں کہ اَللّٰہُ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ ج (سورہ ۴، رکوع ۱۸) "اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار، ہم سے وہ مانگتا ہے"۔

مذاق کا مذاق، طنز کا طنز اور منافقوں کی ذہنیت بے نقاب، وہ سمجھتے ہونگے کہ اللہ ہماری باتیں نہیں سُنے گا۔ زبان سے خواہ وہ خدا کو سمیع سمجھتے اور کہتے ہوں لیکن دِل میں خدا تعالیٰ کے سمیع ہونے کا یقین نہ تھا اس لئے یہ کہا۔ اِس پر وحیٔ الٰہی نازل ہوئی :-

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا الخ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے اُن کی بات سُن لی جنہوں نے کہا "اللہ فقیر و محتاج ہے جو ہم سے چالیسواں حصّہ

مانگتا ہے۔

الغرض وہ ہر وقت، ہر حال میں، ہر جگہ اور ہر بات سنتا ہے۔ اب اگر اس پر ہم دل سے یقین بھی کرلیں یعنی ایمان ہمارے دل میں اُتر جائے تو ہماری زندگی کی کایا پلٹ جائے اور ہم خاک سے اُٹھ کر افلاک پر پہنچ جائیں۔

اَللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے

اُس کی قدرت نہ صرف انسانی قلوب و اجسام پر ہے بلکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ارشاد ہے:۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ؕ (سورۃ البروج پارہ ۳۰) وہ جو چاہے کرتا ہے، اُس کی قدرت کے سامنے دنیا کے تمام انسانوں کی طاقت و قدرت کچھ حقیقت نہیں رکھتی، اس کی قدرت و مشیت کے مقابلے میں انسانوں کی تمام تدبیریں اور کوششیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، جب ترقی یافتہ ممالک میں زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پہاڑ پھٹتے ہیں، ہلاکت آفریں سیلاب آتے ہیں، طوفانی ہواؤں کے جھکّڑ چلتے ہیں اور بے پناہ مُوسلادھار بارشیں ہوتی ہیں تو امریکہ، رُوس، چین، برطانیہ، جاپان اور دُوسری ترقی یافتہ حکومتوں کے انتظامات، سائنسی تدبیریں اور مشقیں بیکار و معطّل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور قوموں کا تو ذکر ہی کیا۔ قادر ارضی و سماوی کے سامنے کسی کی کچھ پیش نہیں جاتی۔

آسمان وزمین اور اُن کی تمام چیزیں اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہیں، انسان کو جتنی بھی علم وعمل اور ایجاد واختراع کی صلاحیتیں اور توانائیاں حاصل ہیں وہ اُسی کی عطاکردہ ہیں۔ وہ جب چاہے انسان کی صلاحیت وطاقت کو سلب کرلے

آسمان کی بلندی، زمین کی پستی، پہاڑوں کی سنگینی، دریاؤں کی روانی، سمندروں کا جوش وخروش اور برق وباد کی ہیبت ناکی اس کی قدرت کا شاہکار اور نمونہ ہے، ہر وہ چیز جس کی قوت کے سامنے انسان مجبور و بے بس ہے، اللہ کی قدرت کا پتہ دیتی ہے اور ان کو دعوت دیتی ہے کہ جس طرح وہ قانونِ فطرت کی پابند ہے اور اس سے سرتابی کی مجال نہیں اسی طرح انسان کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی طاقت، اپنی قوت، اپنی تدبیر اور اپنی حکومت پر ناز اور گھمنڈ نہ کرے بلکہ اس کے بھیجے ہوئے قانونِ شریعت کی پابندی کرے، اُس کا اطاعت گذار و فرمانبردار بندہ بن کر رہے۔

وہ غور کرے اور عبرت حاصل کرے کہ دنیا میں کیسی کیسی متمدن، ترقی یافتہ اور طاقتور قومیں گذری ہیں، وہ سب خاک میں مل گئیں۔ قدرت قاہرہ نے نمرود کو مچھر سے مروادیا، فرعون کو دریائے نیل کی موجوں کا لقمہ بنادیا، قارون کو زمین میں دھنسادیا، شدّاد کی روح اُس کی بنائی ہوئی بہشت میں قدم رکھنے سے پہلے قبض کرالی، یزید کا جبر واستبداد قصہ پارینہ بن گیا اور ہٹلر کو امریکہ، روس

اور برطانیہ تینوں دشمنوں کو آپس میں ملا کر مروا دیا، یہ سب اُسی کی قوت و اقتدار کی نشانیاں ہیں۔

الغرض اس ایمان کو ہمیں اپنے قلب میں اتارنا اور مستحکم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ جو جی چاہے کرتا ہے، مگر یاد رہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے یونہی ادھا دھند اور بے ضابطہ اور بے حکمت نہیں کرتا۔ اپنے اندازے، اپنے ضابطے، اپنے قانون اور اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا اندازہ ٹھیرالیتا ہے۔ اسی کا نام تقدیر ہے، اسی طرح اقوام و اُمم کے لئے بھی اُس کا قانون و ضابطہ ہے جس کے مطابق وہ اقوامِ عالم کو اُبھارتا اور گراتا ہے۔ عذاب و ثواب کا بھی ایک قانون ہے جسکا نام قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ اسی کے متعلق حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گندم از گندم بروید جو زجو ؞ از مکافاتِ عمل غافل مشو

اَوصافِ سَلبیّہ

اللہ تعالیٰ کے اوصافِ ایجابیہ کا تفصیلی بیان پہلے گذرا۔ یعنی وہ اوصاف جن کا خدا تعالیٰ میں ہونا ثابت کرنا اور اُن پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ ایک ایک صفت کو سمجھنا، اُس پر غور و فکر کرنا اور اُس پر یقین کرنا، دل میں اتارنا اور راسخ کرنا چاہیئے۔

اب یہاں سے اوصافِ سلبیہ کا بیان شروع ہو رہا ہے یعنی وہ اوصاف جن سے خدائے قدوس کو پاک و مُبرّا سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں

وہ جسم اور جسمیات سے پاک و منزہ ہے۔ جسم اور جسمانیات تو بندے یا مخلوق سے متعلق ہیں نہ کہ خالق سے، وہ کسی جگہ محدود و مقیّد نہیں اور اُس کی کوئی جہت بھی نہیں، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب وہ سب سمتوں میں ہے، جدھر منہ کرو اللہ ہی اللہ ہے۔

اُس کا کوئی رنگ نہیں، وہ ہر اُس عیب و نقص سے پاک ہے جو انسان میں پایا جاتا ہے اور جو انسانی وہم و گمان میں آسکتا ہے۔

وہ بے نظیر، بے مثال اور بے زوال ہے، وہ کسی کا کسی حیثیت اور کسی حال میں بھی محتاج نہیں، سب اسکے محتاج ہیں، چنانچہ فرمایا:۔

یَا یُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ط

(سورہ ۳۵، رکوع ۲)

"اے انسانو! تم سب محتاج ہو اور اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔"

اُس نے اپنی شانِ بے نیازی کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا:۔ اِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ "یعنی اگر تم سب کافر ہو جاؤ تو اللہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں۔"

اگر ساری دنیا کے تمام انسان کفر و بغاوت پر کمر باندھ لیں تو اُس کی خدائی، اس کی قدرت اور اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ وہ سب کفر و بغاوت کی راہ اختیار کرکے اپنا ہی سب کچھ بگاڑیں گے اور اپنی بداعمالیوں کے سبب تباہ و برباد ہوں گے اور دنیا کے تمام انسان اس کے عبادت گذار بندے بن جائیں تو اُس سے اُس کی خدائی اور اُس کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بندوں ہی کو اس کا فائدہ پہنچیگا وہ دنیا و آخرت دونوں کی سرفرازیاں، کامرانیاں اور شادابیاں حاصل کریں گے۔

خدائے قدوس بندوں کی اطاعت و بغاوت دونوں سے بے نیاز ہے

بندوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خدائے قدوس اپنی اطاعت و بغاوت دونوں سے بے نیاز ہے۔ اطاعت و بغاوت کا فائدہ یا نقصان بندوں کو پہنچتا ہے، اگر اس نے اپنے بندوں کو اپنی عبادت و بندگی کا حکم دیا ہے تو اِس میں بندوں ہی کی فلاح و کامرانی ہے۔ اور اگر اس نے کفر و معصیت سے روکا ہے تو اس میں بندوں ہی کا نقصان اور تباہی و بربادی ہے، یہ ہے اسکی شانِ بے نیازی۔

اُس کی کوئی شکل و صورت نہیں، احمق و نادان تھے وہ کافر و مشرک جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی شکل و صورت میں دیکھنا اور غیر محسوس کو محسوس کرنا چاہا۔ یہی شرک کا سنگِ اساس ہے کہ انسان خدا کو کسی نہ کسی صورت و شکل

یں دیکھنا چاہتا ہے اِسی چیز نے انسان کو بُت گھڑنا اور بُت پرستی اختیار کرنا سِکھایا۔

وہ کسی میں حلول نہیں کرتا، نہ اس میں کوئی چیز حلول کرتی ہے، نہ اس میں سے کوئی چیز نکلتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں گھستا ہے، ہندوؤں کی اوتاریت اور مرزائیوں کی ظلّیت و بروزیت یہ احمقانہ اور جاہلانہ عقائد ہیں۔ جن کا علم و عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے اسمیں کوئی عیب اور بُرائی نہیں ہے

قرآن شریف میں ہے سُبحَانَ اللہ (اللہ تعالیٰ تمام بُرائیوں سے پاک ہے)

(۱) اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے، نہ ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کا حکم کرتا ہے۔ قرآن شریف سُورۂ قٓ میں ہے: مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا) اللہ تعالیٰ کو ظلم سے کوئی تعلق نہیں، اس کی طرف ظلم کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

(۲) اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (سورۂ ۲۲، رکوع ۶) اللہ تعالیٰ کو وعدہ خلاف کہنا کفر کے گڑھے میں گرنا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (سورۂ ۴، رکوع ۴) اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچّا ہے، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا جاننا ایمان کو ختم کرنا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ دھوکہ دہی سے پاک ہے۔ کسی کو کبھی بھی دھوکہ نہیں دیتا۔ قرآن حکیم

میں ارشاد ہے: وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ "ان کو اللہ سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔"

(۵) اللہ تعالیٰ فحش کلامی سے پاک ہے۔ خدا کا فرمان ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (سورہ ۷ رکوع ۳) اللہ تعالیٰ فحش کا حکم نہیں دیتا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کسی کا باپ نہیں اور نہ کسی کی اولاد ہے۔ ارشاد ہے: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ اللہ تعالیٰ بیوی سے پاک ہے۔ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ (سورہ رکوع) اس کی کوئی بیوی نہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے۔ قرآن شریف میں ہے: هُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں۔

(۸) اس کو نیند اور اونگھ نہیں آتی۔ دیکھو قرآن شریف: لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (سورہ ۲ رکوع ۲) اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔

(۹) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں (لازم نہیں) جس کی ادائیگی پر وہ مجبور ہو، وہ جو کچھ کرتا ہے رحم و کرم سے کرتا ہے، اصلاح انسان کے واسطے ہزارہا انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو ارسال کیا یہ اس کا کرم ہے۔ ان گنت غذاؤں کا انتظام کر دیا، اس کا رحم ہے، مریضوں کے واسطے دواؤں کا حکما اور ڈاکٹروں کا انتظام فرمایا ہے یہ سب اس کی عنایت ہے۔ فرمایا: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اس نے اپنے رحم و کرم سے انسان

کے واسطے سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ (سورہ ۲ رکوع ۳)

آخر الکلام (آخری بات)

شریعتِ اسلامی کا سب سے پہلا مسئلہ ایمان باللہ ہے یعنی میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں سے موصوف ہے۔ اس اقرار سے انسان مومن قرار دیا جاتا ہے۔

سوشلزم کا پہلا مسئلہ اللہ کا انکار ہے، کہتے ہیں اللہ نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ) اللہ کے اقرار سے مومن ہو گیا تو اس کے انکار سے کافر۔ جو اللہ تعالیٰ کو نہ مانے وہ کافر، جو اس کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر۔ اسی حال میں اگر موت آگئی تو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَآءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ط

بابِ دُوم

شریعتِ اِسلام کا دُوسرا عقیدہ

انبیاء علیہم السّلام پر ایمان

سورۃ ۴۸، رکوع ۴ میں ارشادِ باری ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

دُوسری جگہ سورۃ الانعام میں اعلان فرمایا:۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ط

ترجمہ: کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسُول بن کر آیا ہُوں"

تیسرے مقام پر سورۃ الانعام رکوع ۵ میں ارشاد فرمایا:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

"اور ہم رسول نہیں بھیجتے مگر اسلئے کہ وہ (انسانوں کو ایمان وعمل صالح کی) بشارت دینے والے اور (کفر و نافرمانی کے وبال و عذاب سے)

ڈرانے والے ہوتے ہیں۔"

اس آیتِ کریمہ میں نبوت و رسالت کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کی اصلاح و ارتقاء اور فلاح و نجات کے لئے جتنے بھی نبی و رسول آئے اُن سب کے آنے کی غرض یہ تھی کہ اپنے زمانوں اور اپنی اپنی قوموں کو اس بات کی بشارت دیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ گے اور مجھے اللہ کا رسول مان کر میری اطاعت کروگے تو دنیا میں بھی ترقی و خوش حالی حاصل کروگے اور اور آخرت میں بھی نجات پاؤ گے اور اگر تم نے اللہ پر ایمان لانے اور میری اطاعت کرنے سے انکار کیا تو خواہ تم دنیا میں کتنا ہی اقتدار اور ترقی حاصل کرلو مگر تمہاری انسانیت تباہ ہو جائے گی اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بن جاؤ گے۔

رسولوں کے آنے کی غرض

مذکورہ آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ جتنے بھی انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اُن سب کے آنے کی واحد غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر ایمان لائیں اور جو احکام اللہ نے ارسال کئے ہیں ان کو تسلیم کریں۔ یہ تعلیم کہ انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنائیں، ان کو آپس میں پیار و محبت سے رہنا اور ایک دوسرے سے تعاون و تناصر کرنا سکھائیں، تہذیب و تمدّن میں چار چاند لگائیں اور انسانوں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں اور اگر وہ ایمان و

عمل صالح کی تعلیم قبول نہ کریں اور انکار و بغاوت پر کمر باندھیں تو اس کے ہولناک انجام و مآل سے ڈرا دیں۔ اس کے بعد وہ جانیں اور ان کے اعمال۔

ارشاد باری تعالیٰ :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ کے اذن سے"

تمام انبیاء علیہم السّلام کے بعد ہمارے نبی و رسول، خاتم الانبیاء محبوب کبریا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، آپؐ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپؐ کی نبوت و رسالت کا کام جاری رہے گا۔ دینِ حق کا دنیا میں فروغ و غلبہ ہو گا اور منشاءِ الٰہی پورا ہو گا۔

ختمِ نبوّت کا عقیدہ

ختمِ نبوّت کا عقیدہ کفر و ایمان کا معیار ہے۔ جو شخص آپ کی نبوّت و رسالت کے ساتھ ساتھ ختمِ نبوّت کا بھی عقیدہ رکھتا ہے وہ مومن و مسلم ہے اور جو شخص کسی اعتبار سے اور کسی رنگ میں بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپؐ کے بعد بھی کوئی نبی آیا یا آسکتا ہے وہ قطعی طور پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ یاد رکھئے عقیدۂ ختمِ نبوت ملّتِ مسلمہ کی ریڑھ کی ہڈی ہے، جو نبوت کو

جاری سمجھتا ہے وہ تمام کافروں سے بدتر کافر اور دشمنِ اسلام ہے۔ وہ امتِ محمدیہ اور امتِ مسلمہ کی جڑ پر کلہاڑا چلانا اور مسلمانوں کو راکھ کا ڈھیر بنانا چاہتا ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت پر تمام اُمّت کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ اِس میں کسی فرقے اور کسی مسلمان کو بھی اختلاف نہیں اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔

حضور پُر نُور جناب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا نامِ نامی واسمِ گرامی محمدؐ بھی ہے اور احمدؐ بھی۔ آپ کا نام محمدؐ آپ کے دادا عبدالمطلب کا رکھا ہوا ہے۔ اِن دونوں ناموں میں بڑی بڑی خوبیاں اور اسرار و رموز مخفی ہیں۔ دونوں نام قرآن مبارک میں آئے ہیں۔ ناموں کی وجہ سے بھی آپؐ کو اشرفِ انبیاء کہتے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام خواجہ عبداللہ اور آپکی والدہ محترمہ کا نام آمنہ ہے۔ اس میں یہ اشارہ مخفی ہے کہ آپ اللہ کے بندے کے بیٹے ہیں۔ عبدیتِ الٰہی آپ کی بنیادی خصوصیت اور عظمت و شان ہے۔ اور آپ حضرتِ آمنہ دنیا کو امن دینے والی ماں کے بیٹے ہیں۔ امن کی آغوش میں تربیت پائی ہے اور صرف آپؐ ہی دنیا والوں کو امن دے سکتے ہیں۔ آپ کی رحمت و شفقت نے کل عالمِ انسانی پر اپنا سایہ کر رکھا ہے۔ آپ کی تعلیم ہی تہذیب و ترقی کی جان ہے اور اقوامِ عالم آپ ہی کی تعلیم و نمونے کے زیرِ اثر ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہیں۔

آپ عرب کے مشہور علاقے حجاز اور شہرِ مکہ میں پیدا ہوئے۔ قبلہ مکہ دنیا میں سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ یہ امن، خیر و برکت اور ہدایت کا مرکز و منبع ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، رحمت اور ربوبیت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (سورہ ۳ رکوع ۵)

"بیشک سب سے پہلا گھر جو انسانوں کے لئے بنایا گیا۔ یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہے۔"

برکت اور ہدایت انسانوں کو صرف یہیں سے مل سکتی ہے۔ رُوس، امریکہ، چین اور برطانیہ تو ظلم و فساد اور ضلالت و گمراہی کا منبع ہیں۔ اِن میں امن، برکت اور ہدایت کہاں۔

رسُول کسے کہتے ہیں؟

رسول اُس مقدس اور عظیم و جلیل انسان کو کہتے ہیں جس کو باری تعالیٰ عزاسمہٗ منصبِ نبوت پر فائز کرے اور اپنے احکام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کرلے۔ اُس کی تمام فکری صلاحیتیں مجلّٰی و مصفّٰا ہوتی ہیں۔ دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ عملی توانائیاں اُس میں بھرپور ہوتی ہیں، وہ تمام خوبیوں، تمام کمالات اور تمام فضیلتوں اور عظمتوں کا مالک ہوتا ہے۔ تمام انسانوں کے لئے

زندگی کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ اُس پر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب نازل کرتا ہے۔ وہ اُس کی آیتیں انسانوں پر تلاوت کرتا، اُن کے معانی اور اسرار و رموز سمجھاتا اور ہر قسم کی شرارتوں، خباثتوں اور نجاستوں سے اپنے پیروؤں کو پاک و صاف کر کے ان کو نورانی زندگی اور فرقانی شان کا مالک بنا دیتا ہے۔

وہ مقدس و محترم رسول خود بھی بہر حال بڑی کامیابی و سربلندی کا مالک ہوتا ہے اور اپنے پیروؤں کو بھی کامیابی، سرفرازی اور پاکیزہ زندگی کا مالک بنا دیتا ہے۔ چند خصوصیات و کمالات کو ہم علیحدہ علیحدہ اور مناسب و ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں:۔

(۱)
شرفِ ہمکلامی

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو سب سے بڑا شرف و کمال یہ عطا فرماتا ہے کہ اُس سے ہمکلام ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اِسی کو وحی کہتے ہیں، کبھی اُس کے دل پر اِلقا کرتا ہے اور کبھی بواسطۂ حضرت جبرئیل علیہ السّلام احکام سے مطلع کرتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں وحی میں داخل ہیں۔

وحی کی ۲ دو قسمیں ہیں بعض علمائِ محققین نے ۳ یا ۵ یا ۷ بھی بتلائی ہیں مگر وہ سب اِن ۲ دو قسموں میں داخل ہیں:۔

ایک وحی[۱] متلو اور وحی غیر[۲] متلو

وحی متلو کی تعریف و تفصیل

وحی متلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام آیاتِ قرآنیہ لے کر آتے تھے اور حضورؐ کے سامنے تلاوت کرتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو سناتے اور یاد کراتے تھے۔ اس کا نام وحی متلو ہے، اسی وحی متلو کے مجموعے کا نام قرآن شریف ہے۔ قرآن پاک کے پورے تیس ۳۰ پارے جوں کے توں محفوظ ہیں اور اسی طرح قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ یہ اللہ کی حفاظت میں ہے اور خود اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (سورہ ۱۵ رکوع ۱)

"اور ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اس کو نہ کبھی کوئی خطرہ ہوا، نہ ہے اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ وحی متلو، اس کو اس واسطے کہتے ہیں کہ جبرئیل امین جناب نبی کریم علیہ السلام کے رُوبرُو تلاوت کرتے تھے نیز یہ کلمات قرآنیہ نماز میں تلاوت کئے جاتے ہیں۔

وحی غیر متلو

اللہ تعالیٰ سردار دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک

پر القا کرتا تھا، جنابہ عائشہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی ہیں تیز جاڑے میں پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا۔ یہ بغیر واسطے جبرئیل القا ہوتا تھا۔ یہ مضامین ہوتے تھے۔ جناب اپنے کلمات میں ان مضامین کو بیان فرماتے تھے۔ اس کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ حدیث قولی ہے۔ حدیث عملی و تقریری دو قسمیں اور بھی ہیں۔ اس کو غیر متلو، اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کو جبرئیل نے تلاوت نہیں کیا۔ یہ کلمات نماز میں تلاوت نہیں ہوتے۔ اس میں کلمات آنجناب کے ہیں۔ مضامین اللہ تعالیٰ کے، قرآن پاک میں مضامین اور کلمات سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

قربِ خداوندی

ایمان بالرسالت کے سلسلے میں یہ چیز بھی اہم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اُن کے مراتب و مدارج کے اعتبار سے قُرب عطا فرمایا۔ یہ شرف اعزاز بھی اِس پائے کا کسی غیر نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (سورہ ۳، رکوع ۵)

"اور وہ مقربین میں سے تھے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ (سورہ ۱۹، رکوع ۴)

اور ہم نے اس کو اپنا قرب عطا فرمایا۔ ایسا قرب جیسے دوست سے کان میں اسرار بیان کرے۔ قربِ خداوندی کی حقیقت ہم کیا جان سکتے اور کیا سمجھا سکتے ہیں۔ یہاں عقلِ انسانی کا گذر کہاں۔ ہمیں تو صرف اس بات پر ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ یہ ایک بہت بلند مقام اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ چونکہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء مرسلین سے زیادہ فضیلت وعظمت رکھتے ہیں اس لئے آپ کو معراج کی رات وہ قربِ خداوندی حاصل ہوا جو کسی نبی کو نہیں مِلا۔

تمام انبیاء علیہم السلام کو حسبِ مراتب درجۂ قُرب عطا ہوا۔ سرکار عالی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درجۂ وصال اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ قرآن شریف میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ

(سورہ ۴۸، رکوع ۱)

"جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے"

اِس آیتِ مبارکہ میں تین تاکیدیں ہیں :۔

(۱) آیت کو اِنَّ سے شروع کیا۔ یہ اِنَّ تحقیق اور یقین پر دلالت کرتا ہے اور یقین پر دلالت کرتا ہے اور اِنَّمَا تاکید حصر ہے۔

(۲) پھر یُوں اللہ لانا مزید اظہار و خیال ہے. جو لوگ آپ کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ۔ یعنی حضور علیہ السلام کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کہا گیا۔

(۳) اور آپ کی بیعت کو اللہ تعالیٰ کی بیعت قرار دیا گیا۔

دُوسرے مقام پر ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ ، رکوع)

"اور جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تحقیق اُس نے اللہ کی اطاعت کی"

اِس آیت میں حضور علیہ السلام کی اطاعت کو بعینہٖ اللہ پاک کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ آنجنابؐ ہر آن مطاع اور متبوع ہیں یعنی مخلوق پر آپ کی اطاعت و اتباع لازمی و ضروری ہے اور یہ اطاعت و اتباع حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ہے اور اسکی خوشنودی بھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپؐ کی اُمت کے اولیاء اللہ کو بھی یہ درجہ عطا کیا گیا۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنی رضا کو اللہ کی رضا اور اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے میں فنا کر دیتا ہے۔

کلی طور پر اللہ کا ہوجاتا ہے تو پھر وہ بقا باللہ کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔ اس کو وصالِ رب حاصل ہوجاتا ہے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث قدسی ہے۔ بحوالہ مشکوۃ کتاب الدعوات

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ وَکُنْتُ یَدَہُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَکُنْتُ رِجْلَہُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ایسے بندے کا مَیں کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، مَیں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، مَیں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور مَیں اسکے پیر بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

گفتنِ او گفتنِ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اُس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے ٭ اگرچہ وہ آواز عبداللہ کے حلق سے نکلے

خلاصہ یہ کہ اگر نبی کی حق میں قول سے اطاعت کی جائے تو اُسے اطاعت کہتے ہیں اور اگر عمل میں نبی کی اطاعت کی جائے تو اُسے اتباع کہتے ہیں۔ قول و عمل دونوں میں نبی کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض و لازم ہے اور وہ حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت و اتباع ہوتی ہے۔

شانِ محبوبی

یہ خاص مرتبہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج جناب کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے شبِ معراج جنابؐ نے کہا اے اللہ تو نے موسیٰ علیہ السّلام کو کلیم کا خطاب دیا، جناب عیسیٰ علیہ السّلام کو رُوح اللہ کے لقب سے نوازا، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، مجھ کو جناب نے کیا عطا کیا۔ باری تعالیٰ نے فرمایا:۔ "جَعَلْتُكَ حَبِیْبِیْ" ہم نے تم کو محبُوب بنایا۔ (مدارج النبوۃ از مولانا عبدالحق دہلوی)

عصمت تمام انبیاء علیہم السّلام کا خاصّہ ہے

ہمارے اعتقاد میں نبیٔ کریم علیہ السّلام معصوم تھے۔ نبی کا معصوم ہونا عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○

"فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے" (وہ نافرمانی کر ہی نہیں سکتے، اس لئے کہ ان کے اندر نفس ہی نہیں ہوتا جو انسان کو نافرمانی پر اُبھارتا ہے نیز شیطان بھی اُن کا دشمن نہیں، جو انسان کو اپنے جیسا باغی بناتا ہے۔ اس لئے اگر فرشتے نافرمانی کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے) اور جس کا اُنہیں حکم دیا جائے اُسکی وہ تعمیل کرتے ہیں۔

اِس سے ثابت ہوا کہ فرشتے بھی معصوم ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام کو فرشتوں پر بہت بڑی فضیلت و برتری حاصل ہے۔ وہ فضائل و کمالات اور درجاتِ قرب کے اعتبار سے فرشتوں سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں، فرشتوں کا وہم و گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

عصمتِ انبیاء کی عقلی دلیل

یہ تو متفق علیہ عقیدہ ہے اور ہونا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام معصُوم عَنِ الخطاء ہوتے ہیں۔ اگر کوئی عصمتِ انبیاء کو نہ مانے اور معصوم نہ ہوں تو عام انسانوں کی طرح اُن سے بھی خطاء و نسیان کا ظہور ہو گا۔ اگر ایسا ہو تو نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، اس لئے کہ نبی تمام انسانوں کے لئے کامل نمونہ ہوتا ہے۔ اگر نمونہ میں ہی کوئی نقص و عیب ہو تو نمونہ دینے کا منشا ہی غدر بود ہو جاتا ہے لہٰذا عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ نبی کو معصوم عن الخطاء ہونا چاہئے۔

عصمت کی ایک اور دلیل بھی سن لیجئے اور یاد رکھئے:۔

اگر نبی معصوم نہ ہو تو وہ گنہگار ہو گا۔ قرآن کی زبان میں گنہگار کو فاسق کہا گیا ہے اور فاسق کے متعلق قرآن مجید میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ:۔

وَاِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (سورۃ الحجرات پارہ ۲۶)

"اور اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔"

یہ نہیں کہ اندھا دُھند اس کی خبر پر اعتماد کرلو۔ فاسق کا کیا اعتبار، وہ تو خود خواہشِ نفس کا غلام ہوتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو سچ بولتا ہے اور اگر جھوٹ بولنا مفید ہو تو جھوٹ بول دیتا ہے۔ صدق و کذب اس کے نزدیک کوئی بنیادی قدر اور اخلاقی اصول ہی نہیں۔ فرمائیے کیا .... نبی کا فاسق ہونا اُس کی شان کے شایان ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ اس کا خیال بھی دل میں لانا موجبِ کفر ہے۔ نبوت کا دارومدار ہی صدق و صفا پر ہوتا ہے، وہ انسانوں کو عالمِ غیب کی خبریں سناتا ہے۔ احکامِ الٰہی کو بندوں تک پہنچاتا اور اُن پر خود عمل کر کے دکھاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خبر پر ہی نبوت کا انحصار ہے۔ اگر وہ معصوم نہ ہو اُس کی خبر قابلِ اعتبار اور موجبِ یقین ہی نہیں ہو سکتی لہٰذا عقلی طور پر ثابت ہوا کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔

اِس بات کو تاریخ کی روشنی میں قرآن نے یوں پیش کیا ہے:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(سورہ یونس، پارہ ۱۱)

"یعنی میں نے دعویٰ نبوّت سے پہلے بھی تم لوگوں میں اپنی عمر کا حصّہ گذارا ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے"

انبیاء و رُسل کی تعداد

تمام انبیاء علیہم السّلام کی آمد کی غرض ایک تھی، سب کا دین ایک تھا اور

سب کی دعوت ایک تھی اور وہ یہ کہ "اے لوگو! اپنے رب کی بندگی اختیار کرو۔ اللہ کے سِوا تمہارا کوئی معبود اور رب نہیں"۔ اسی دعوت کا نام دینِ اسلام ہے۔ اسلام حضرت آدم علیہ السّلام سے شروع ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکی تکمیل کر دی۔ نبوت و رسالت آپؐ پر ختم ہو گئی اور کارِ نبوت قیامت تک کے لئے باقی رہ گیا۔ جس کو حضرات اولیاء اللہ اور علمائے حق سرانجام دیتے رہیں گے۔

دنیا میں کتنے نبی آئے؟ اُن کی صحیح تعداد تو اللہ ہی جانتا ہے اور نہ ہمیں یہ تعداد جاننے کی ضرورت ہے، ہاں بالاجمال تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا چاہیئے۔ اِس بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ (سورہ ۴ رکوع ۲۳)

"یعنی ہم نے آپ کو بہت سے رسولوں کے قصے سنا دئے ہیں
اور بہت سوں کے نہیں سنائے"۔

لہٰذا بلاتعیّن تعداد کے تمام انبیاء علیہم السّلام پر ایمان لانا چاہیئے بعض مفسرین کا اندازہ ہے اور یہی عام مسلمانوں میں مشہور ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے۔ مگر یہ صرف انسانی اندازہ ہے صحیح بات یہی ہے کہ بس اللہ ہی جانتا ہے کتنے نبی آئے سب پر ایمان لانا چاہیئے۔ کسی ایک نبی کا انکار بھی موجب کفر ہے، انکار کیا کسی نبی کی ذرا سی توہین بھی کفر ہے۔ یہود و نصاریٰ کا کفر یہی ہے کہ مسئلۂ نبوت کو بھی

اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ کسی نبی کو مانتے ہیں اور کسی کو نہیں مانتے۔ یہود و نصاریٰ دونوں کا کفر یہ ہے کہ دونوں ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ قرآن اِس بارے میں اُن کی یہ رَوِش بتلاتا ہے:۔

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ج (سورہ ۴ رکوع ۲۱)

" اور وہ کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں "۔

اُن کے متعلق اور ایسے لوگوں کے متعلق جو یہودیوں کی یہی روش اختیار کرے، یہ ہے:۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ط

" حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں "۔

یہی اُن کا کفر ہے کہ مسئلہ نبوت کو وحیِ الٰہی کے مطابق نہیں رکھا بلکہ اُسے بھی اپنی پسند و رائے کے مطابق بنالیا۔

کِسی کو ہمارے نبیؐ کے بعد نبی ماننا کُفر ہے

یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں۔ اب آپ کے بعد قیامت تک بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آخری کتاب قرآن اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں رہی، بے ضرورت کوئی نبی آئے کیوں؟ اگر قرآن

کے اس اعلان اور پوری امت کے متفق علیہ عقیدۂ ختمِ نبوت کے بعد بھی اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ یقینی طور پر کافر ہے۔ جو اُس کو نبی مانے وہ بھی کافر ہے اور جو اِن دونوں کے کفر میں شک و تردّد کرے تو بعض علماء کے نزدیک وہ بھی کافر ہے۔

اِس بارے میں قرآن پاک کی آیت خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ تو ہے ہی جو ختمِ نبوت کی صِرف ایک ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ باقی اور بھی بے شمار آیتیں ہیں جو ختمِ نبوت پر قطعی ثبوت ہیں مگر احادیث میں بھی اِس بات کو صاف کر دیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ مشہور اور زبردست حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہے۔ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اِس کے بعد تو ایک مسلمان کے لئے اور کسی دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

نبوّت کسبی چیز نہیں

یعنی یہ بات نہیں کہ کوئی شخص کسی نبی کی اتنی اطاعت کرے کہ وہ اطاعت کرتے کرتے نبی بن جائے۔ کسی نبی کی قیامت تک کی اطاعت بھی کسی کو نبی نہیں بنا سکتی۔ نبوّت تو وہبی چیز ہے۔ یہ منصبِ جلیلہ اور نعمتِ عظمیٰ تو اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو عطا فرماتا ہے۔ قدرت کی نگاہِ انتخاب جس کو چاہتی ہے چھانٹ لیتی ہے۔ یہ بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اِس میں کسب و عمل کو دخل ہی نہیں۔ یہ تو محض عطاءِ الٰہی اور اُس کا فضل و کرم ہے۔ اس پر بھی ایمان لانا ہے۔ قرآنی مسئلہ ہے

مشرکینِ مکہ اتنے کم عقل، ناسمجھ اور کودق تھے کہ وہ توحید و نبوت کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ اُن میں اس کی صلاحیت ہی نہیں تھی؛ نہیں یہ بات نہیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی ضد اور جہالت و حماقت کا یُوں ثبوت دیا:۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ (سورہ ۴۳ رکوع ۳)

"یہ لوگ کہتے ہیں یا اُنہوں نے کہا کہ یہ قرآن طائف یا مکہ کے کسی بڑے رئیس پر کیوں نازل نہیں ہوا؟"

اِس کے جواب میں باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے فرمایا: "اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ" کیا یہ نادان اللہ کی اس رحمت و نعمتِ عظمیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ بڑے ناسمجھ ہیں یہ لوگ۔ سمجھے آپ نبوّت کیسی چیز نہیں اور اس میں اپنی عقل و رائے کو ہرگز ہرگز داخل نہ ہونے دینا چاہئے۔

نبی و رسُول کا فرق

نبی کے لغوی معنے خبر دینے والے کے ہیں۔ یعنی وہ مقدس انسان جو انسانوں تک اللہ تعالیٰ کی خبریں پہنچائے۔ رسول کے معنے بھیجا ہوا ہیں۔ یعنی وہ اللہ کا بندہ جس کو بندوں کی طرف بھیجا جائے، یا پیغام پہنچانے والا۔ اِن میں فرق یہ ہے

کہ لفظ نبی عام ہے اور رسول خاص یعنی نبی سب کو کہتے ہیں اور رسول اُس نبی کو کہا جاتا ہے جس کو نئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی ہو۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کتاب اور بے شریعت کوئی نبی نہیں ہوا۔ جس نبی پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اور کسی شریعت کی بنیاد نہیں رکھی گئی وہ اپنے سے پہلے نبی کی کتاب و شریعت پر عمل پیرا رہا۔ اب وہ کتاب اور شریعت اُس نبی کی تھی، بے کتاب اور بے شریعت نبوّت کوئی چیز نہیں۔

ہمارے نبی چونکہ خاتم النبیین ہیں اِس لئے آپ کی کتاب قرآن مقدس نے پچھلی کتابوں اور صحیفوں کو منسوُخ کر دیا اور آپ کی شریعت نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوُخ کر جیسے آفتاب، چاند، ستارے اور بجلی کے قمقموں وغیرہ تمام قدرتی اور مصنوعی روشنیوں کو منسوخ کر دیتا ہے یعنی سورج کی موجودگی میں چاند ستاروں کی روشنی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

ہمارے نبیؐ تمام نوعِ انسانی کے نبی ہیں

ہمارے نبی سے پہلے جتنے نبی بھی آئے وہ سب کسی ایک زمانے کے لئے اور اپنی اپنی قوموں کے لئے تھے مگر ہمارے نبی کُل عالمِ انسانی اور قیامت تک کے لئے نبی بن کر آئے ہیں۔ یہ آیتیں سامنے رکھ لیجئے:۔

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا ﹰنِ الَّذِیْ لَهٗ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج (سورہ پ۷ رکوع ۱۹)

"کہد یجئے اے نبی صلعم! میں تمام انسانوں کا رسول ہوں۔ اس اللہ کی جانب سے جسکے لئے آسمان و زمین کی حکومت و بادشاہت ہے"

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ (سورہ پ۲۵ رکوع ۱)

"برکت والا ہے اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) کو نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈرائے یعنی تمام جہان کا رسول کر دیا"

حدیث شریف میں بھی آیا ہے:۔

بُعِثْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً (میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں)

جتنی بھی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اُن میں پروردگارِ عالم نے کسی نبی سے یہ اعلان نہیں کرایا نہ آپؐ سے پہلے کسی نبی نے یہ دعویٰ کیا۔ اِس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپؐ کی نبوت و رسالت تمام انسانوں اور قیامت تک کے لئے ہے۔

انبیائے سابقین صرف اپنی اپنی قوموں اور اپنے اپنے زمانوں کیلئے تھے

درحقیقت نبوّت و رسالت سے مقصود یہ تھا کہ انسانی عقل اور انسانی تمدّن

آہستہ آہستہ بتدریج ترقی کرے۔ ربوبیت کا یہی مفہوم ہے کہ ہر چیز بتدریج
ترقی و کمال حاصل کرے۔ جوں جوں تہذیب و تمدن ترقی کرے اُسی مناسبت
سے انسان کو شریعت کے احکام دئے جائیں۔ چنانچہ جب انسان اس قابل
ہو گیا کہ اس کو کامل دین اور کامل شریعت دے دی جائے تو سب کے آخر میں
ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم اور خاتم النبیین بنکر آگئے۔
نبوت ختم ہو گئی اس لئے کہ دین کی تکمیل ہو گئی اور انسانوں کو وہ تمام نعمتیں قرآن
اور قرآن لانے والے نبیؐ کے ذریعہ مِل گئیں۔ اب کوئی نعمت باقی ہی نہیں رہی۔
جس کو لے کر کوئی نبی آئے۔

حسبِ ذیل قرآنی آیات پیش ہیں۔ اپنا دین و ایمان تازہ کیجئے:۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ط یعنی ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف بھیجا۔

سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر آیا ہے اُن سب
کی دعوتوں کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ج

"اے میری قوم کے لوگو! صِرف ایک اللہ کی عبادت کرو، تمہارا اُسکے سوا
اور کوئی معبود نہیں"۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔ آپ نے صرف اپنی
قوم سے خطاب کیا:۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ الخ (سورہ ۶۱ رکوع ۱)

"یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت بنی اسرائیل سے کہا"

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبیوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے سب کا اندازِ خطاب یہی تھا اور سب نے اپنی اپنی قوموں سے ہی خطاب کیا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تورات و انجیل پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارا زمانہ ختم ہوگیا اور ہمارے مخاطب صرف ہماری قوم ہی کے لوگ تھے۔ نیز یہ کہ آنے والا آگیا اور ہمارا کام ختم ہوگیا مگر عیسائی پادری صاحبان ساری دنیا میں اپنے محرف و منسوخ دین کی تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں اور کوئی اُن سے نہیں پوچھتا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو بہت ہی موٹی اور صاف بات ہے کہ انجیل مقدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نوعِ انسانی کو خطاب نہیں کیا اور دُنیا کے تمام انسانوں کو پکار کر کچھ نہیں کہا، پھر یہ پادری صاحبان کس کے دین و شریعت اور دعوت کو پیش کر رہے ہیں؟

انبیاء علیہم السلام کے خطابات

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مختلف خطابات سے یاد فرمایا ہے۔

مثلاً حضرت آدم صفی اللہ، حضرت نوح نجی اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ، اور حضرت عیسیٰ روح اللہ۔ یہ اولوالعزم انبیاء و رسل کے خطابات تھے

مگر ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب اللہ کا خطاب عطا ہوا یعنی اللہ کا دوست۔ یہ بہت اونچا مقام ہے۔

اب جو شخص بھی آپ کی نبوت پر صدق دل سے ایمان لاکر آپ کا کامل اتباع کرے گا اور فنافی الرسول کا درجہ حاصل کرے گا وہ بھی اللہ کا دوست ہو جائے گا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ سے دوستی حاصل ہو جائے ساری دُنیا اس کی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن میں فرمایا:۔

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورہ ۳ رکوع ۴)

"پس تم میری پیروی کرو، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ سے فخرِ موجودات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: الٰہ العالمین! آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ، حضرت نوح علیہ السلام کو نجی اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح اللہ کا خطاب عطا فرمایا، آپ نے مجھے کونسا خطاب مرحمت کیا؟ باری تعالیٰ نے فرمایا:۔

جَعَلْتُکَ حَبِیْبِیْ (میں نے آپ کو اپنا دوست بنایا ہے)

لہٰذا آپ حبیب اللہ ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

تمام انبیاء علیہم السّلام نے معجزے دِکھائے

معجزہ عقلِ انسانی کو عاجز کر دینے والی بات یا حیرت میں ڈال دینے والے واقعہ

کو کہتے ہیں۔ نادان ہمیشہ اپنی اندھی عقل سے کام لیتا رہا ہے اور بچاری عقل توحید ونبوّت کی حقیقت کو پا نہیں سکتی۔ اس لئے ایسے عقل پرستوں اور کافروں پر حجت قائم کرنے اور انبیاء علیہم السّلام کی نبوّت وصداقت کو منوانے کے لئے ہر زمانے میں مختلف نبیوں کو مختلف معجزے عطا فرمائے جن کو دیکھ کر انسانوں کی عقلیں دنگ رہ گئیں۔ پھر بھی شقی انسانوں نے ان کی نبوّت وصداقت کو نہیں مانا۔ یہی کہا کہ یہ تو جادُو ہے۔

مختلف نبیوں کو مختلف معجزے عطا ہوئے تھے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دم کرنا وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت سے معجزات عطا ہوئے، آپؐ کے معجزات کی تین ۳ قسمیں ہیں۔

حضورؐ کی ولادتِ مبارک سے لیکر بعثت تک جو معجزات آپ سے ظہور پذیر ہوئے اُن کو ارہاص کہا جاتا ہے۔ ارہاص کے معنے بنیاد کے ہیں یعنی یہ معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے اشارے اور دعویٰ نبوّت کی بنیاد تھے، جو طلبگارانِ ہدایت کے لئے موجبِ ایمان تھے۔ اور اس بات کی زبردست دلیل تھے کہ یہ پاک ومقدس انسان جو دنیا میں بصد جمال وجلال رونق افروز ہو رہا ہے، فی الحقیقت اللہ کا رسولؐ، خاتم النبیین، رحمتِ عالم اور نوعِ انسانی کا محسنِ اعظم ہے، اِس پر ایمان لانے اور اسکی اطاعت کرنے میں ہی فلاحِ دارین کا راز مضمر ہے۔

ولادت کے وقت ایسی روشنی کا ہونا کہ شام کے محل نظر آگئے، بُتوں کا اوندھے مُنہ گر پڑنا۔ اشارہ تھا اِس بات کا کہ اس اُولوالعزم نبیؐ کی تعلیم اور اُسوۂ حسنہ سے اسلام کی روشنی بڑے بڑے شہروں اور محلّوں تک پہنچے گی، انسانوں کی بادشاہتیں اور خدائیاں ختم ہوں گی اور انسانی تہذیب و تمدّن میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہوگا، شرک و بُت پرستی کا دَور ختم ہوگا اور اسلام آخر میں فروغ و غلبہ حاصِل کرے گا۔

تاریخ میں آیا ہے کہ بُت اوندھے منہ گرے اور یہ دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوا ہے جس کے نور سے مشرق و مغرب کے تمام راستے روشن ہو گئے اور اُسکے آنے سے تمام دُنیا کے بُت اوندھے گر پڑے۔"

"اُس کے رعب و جلال سے رُوئے زمین کے تمام بادشاہوں کے قلب دھڑکنے لگے۔ کِسریٰ کے محل کے کنگرے گر پڑے اور ایران کا آتش کدہ بُجھ گیا۔"

یہ سب قدرت کے اشارے تھے کہ اس نبیؐ کی تعلیم دُنیا بھر میں تہلکہ ڈال دیگی، کفر و باطِل کی دُنیا لرزنے لگے گی، جہالت و حماقت کی تاریکی دُور ہوگی، شرک و بُت پرستی کی قلعی کھُلے گی اور توحید و رسالت کا دَور دَورہ ہو کر رہیگا۔

حضورؐ کی سواری نے آپکی تعریف کی

جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو لے کر اپنے مکان کی طرف جارہی تھیں، اتنی خوش تھیں کہ گویا ہفت اقلیم کی بادشاہی لئے جارہی ہیں۔ آپ کی اونٹنی بھی حُبّ نبیؐ کی شراب سے مست تھی اور معجزانہ طور پر یہ کلام کررہی تھی ؎

یَا نِسَاءَ بَنِیْ سَعْدٍ اُنْکُنَّ لَفِیْ غَفْلَۃٍ

مَنْ عَلٰی ظَھْرِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ خِیَارُ الْمُرْسِلِیْنَ

ترجمہ:- "اے قبیلہ بنی سعد کی عورتو! تم غفلت و بے خبری میں ہو تم جانتی ہو میری پشت پر کون ہے؟ (لو سنو) میری پشت پر سیّد المرسلین ہیں۔"

اِس قسم کے معجزات یا ارہاصات بہت سے ہیں مگر ہم نے نمونتہً صرف چند پیش کردئے کہ اس سائنٹفک دَور کے مسلمانوں میں تازگی و پختگی آئے۔

وہ معجزات جو بعثتِ نبویؐ کے بعد ظہور پذیر ہوئے

یہ معجزات بڑے ہی محیّر العقول اور بصیرت افروز ہیں۔ لوگ ان کو سنکر جھومنے لگتے ہیں مگر سوچتے سمجھتے کچھ نہیں جس وقت اُن کا ظہور ہوا وہ دَور اور اُس کا تقاضا کچھ اور تھا اور آج ان کا تقاضا کچھ ہے، یہ سمجھنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ ہمیں

علم وعقل سے کیا واسطہ؟ بہرحال ان معجزات میں شقّ القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا بڑا ہی عجیب وغریب اور سبق آموز ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

علاوہ ازیں ستون حنانہ کی گریہ وزاری، ایک سفر میں ہاتھوں کی گھائیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوجانا، درختوں، پہاڑوں اور جانوروں کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا، بکری کے تھنوں کا غیر معمولی طور پر بھر جانا اور کثرت سے دودھ دینا، کھانے میں بے پناہ برکت ہونا وغیرہ وغیرہ معجزات کتب حدیث وسیر میں مذکور ہیں اُن پر ایمان رکھنا چاہئے۔

وہ معجزات جو حضورؐ کے بعد بھی باقی اور قیامت تک باقی رہیں گے

آج دنیا میں ہر طرف سائنس کا دَور دَورہ ہے، ایجادات واکتشفات کی دھوم مچی ہوئی ہے اور علم وعقل کی ترقی کے ڈنکے بج رہے ہیں اسلئے اب معجزات سے مسلمانوں کو متاثر کرنا ناممکن سی بات ہے۔ ہاں راسخ العقیدہ مسلمان تو اب بھی حضورؐ کے معجزات سے اپنے دین وایمان کو پختہ کرسکتے ہیں۔

معجزات کے سلسلے میں قرآن پاک آپؐ کا سب سے زیادہ بڑا، سب سے اہم، سب سے زیادہ روشن اور زندہ وتابندہ معجزہ ہے اور یہ اب بھی دنیا والوں کے سامنے آفتاب کی طرح روشن ہے اور قیامت تک اسی طرح روشن رہے گا۔

قرآن پاک نے نوعِ انسانی کے سامنے جو احکام وقوانین پیش کئے ہیں، اُن میں سے

کوئی ایک حکم وقانون سے بہتر قانون دنیا بھر کے حکما وقانون داں مل کر بھی نہیں بنا سکتے۔ اس کا ہر حکم، ہر قانون اور ہر دلیل عقلائے دہر کو حیران و دم بخود کرنے والی ہے۔ فرمائیے اس سے بڑا زندہ و روشن معجزہ اور کونسا ہو سکتا ہے؟

آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیاں

بعض پیشین گوئیاں تو وہ ہیں جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پوری ہوئیں، بعض وہ ہیں جو آپ کے بعد پوری ہوئیں، بعض وہ ہیں جو اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور بعض وہ ہیں جو قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ قُربِ قیامت کی جتنی نشانیاں اور علامتیں آپ نے بیان فرمائی ہیں اور کتبِ حدیث کے ابوابُ الفتن میں موجود ہیں ان کی ایک ایک بات حدیث میں دیکھ لیجئے اور پھر اُس کا عملی دنیا میں آج مشاہدہ کر لیجئے۔ یہ سب چیزیں حضورِ پُرنورؐ کے معجزات میں ہی داخل ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تو بات ہی کیا ہے، آپ کے طفیل و تصدق سے آپؐ کے اُمتی اولیاءِ کرام نے حضورؐ کے بعد جو کرامتیں دکھائی ہیں اُن کا مشاہدہ ہر زمانے کے ہزاروں لاکھوں انسان کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے

اولیاءِ کرامؒ کی کرامتیں

اگر کسی نبی کے ذریعہ کوئی محیر العقول واقعہ مشاہدہ میں آئے اور اُس کی کوئی نظیر نہ لا سکے

تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر اس قسم کا کوئی واقعہ کسی ولی کے ہاتھ سے ظہور پذیر ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ ولی سے کرامت کا ظہور بھی برحق ہے۔ اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ ولی سے جو کرامت ظہور پذیر ہوتی ہے درحقیقت وہ بھی حضورؐ ہی کا فیضانِ روحانی اور فضلِ الٰہی ہوتی ہے۔

مِعراج شریف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں معجزہ شق القمر کے بعد سب سے بڑا معجزہ معراج شریف ہے جو آپ کو عالمِ بیداری میں اور بجسدِ عنصری نصیب ہوئی۔ آپ نے ایک قلیل وقت میں پوری کائناتِ ارضی وسماوی دیکھ لی۔ عالمِ غیب آئینہ ہو کر آپ کے سامنے آگیا۔ جنّت و دوزخ کی تمام چیزیں مشاہدہ کرلیں اور ملکوت السمٰوات والارض کی سیر کرلی۔ اب ہمیں سائنس کی ترقی کیسے مرعوب ومتاثّر کرسکتی ہے جبکہ معراج کی رات تمام بلندیاں آپؐ کے قدموں پر نثار ہو گئیں اور پوری کائنات آپؐ کے لئے مسخّر کردی گئی۔ ارشاد باری ہے:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (سورہ ۱۷ رکوع ۱)

ترجمہ:۔ پاک ذات ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو رات کے

ایک قلیل حصّے میں سیر کرائی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے اِردگرد ہم نے بڑی برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور عجائبات دکھائیں۔ بیشک وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

معراج کی رات حضورؐ کو وہ قربِ الٰہی حاصل ہوا کہ جو کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا، بُراق و رفرف رہ گئے اور جبرئیل امیں بھی رہ گئے۔ قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے۔ اُمتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

بابِ سوم

اسلام کا تیسرا عقیدہ — آسمانی کتابوں پر ایمان

ہر مسلمان اقرار و اعلان کرتا ہے۔ "میں اللہ کی کتابوں پر ایمان لایا" اس ایمان کی پوری اور ضروری تفصیل اِس باب میں کی جارہی ہے، جس کا سمجھنا اور اس پر یقین کرنا ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ (سورہ ۴ رکوع ۲۰)

"ایمان لاؤ اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور اُس کتاب پر جو آپؐ پر نازل ہوئی (یعنی قرآن شریف پر) اور اُن کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے نازل ہوئیں"۔

حضورؐ سے پہلے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام پر جو بڑی بڑی کتابیں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) زبور (۲) تورات (۳) انجیل اور (۴) صحفِ ابراہیمؑ۔ چاروں کا قرآن میں یوں ذکر ہے:۔

(۱) وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔

(۲) اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ (سورہ ۵ رکوع ۶)

اور ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے۔

(۳) وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ الخ اور ہم نے اس کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔

(۴) سُوْرَۃُ الاعلیٰ پارہ ۳۰ کی آخری آیت ہے:-

صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفے

اِن چاروں کتابوں پر ایمان رکھنا لازمی ہے۔ یہ کتابیں اور صحیفے خاص خاص قوموں اور اُنکے اپنے زمانوں کے لئے تھیں اور اپنی اپنی جگہ شریعتیں لیکر نازل ہوئی تھیں، اُن زمانوں کے انسانوں کے لئے ہدایت وسعادت الٰہی کی تعلیم پر منحصر تھی۔

اِن سب کتابوں کے بعد جب عقلِ انسانی بالغ ہوگئی اور اُدھر سلسلۂ نبوّت اختتام کو پہنچ گیا تو قرآنِ حکیم مکمل و مفصّل طور پر تمام ازلی و ابدی حقیقتوں و صداقتوں کو لیکر آگیا اور قیامت تک نوعِ انسانی کی فلاح و نجات کی راہ صرف قرآنی تعلیم ہے۔

قرآن نے پچھلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ قرآن میں تمام الٰہی شریعتوں کا خلاصہ اور دینِ حق کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اب کسی پچھلی کتاب کی ضرورت

نہ رہی۔ اِن کتابوں کی جو بات قرآن کی کسوٹی پر پوری اُترے درحقیقت وہ قرآن اور اسلام کی بات ہے اور جو اسکے معیار سے گر جائے وہ غلط اور باطل ہے اور یہود و نصاریٰ کی تحریف کا ثبوت۔

پچھلی کتابوں کی تحریف

پچھلی تمام کتابیں چونکہ مخصوص قوموں اور زمانوں کے لئے تھیں، اپنے اپنے زمانے میں محفوظ رہیں اور انسانوں کو ہدایت دیتی رہیں لیکن جب ان کے زمانے ختم ہو گئے اور اُن کتابوں پر ایمان رکھنے والوں کے دلوں اور نیتوں میں قصور و فتور آ گیا تو اُنھوں نے اپنی تحقیق و رائے اور اپنی پسند کے مطابق اُن کو بدل دیا، اُن کے معنوں میں بھی تحریف کی اور الفاظ بھی۔

اُن کے خلاف قرآن کی شان، اللہ کی قدرت کا شاہکار اور اِسلام کا زندہ معجزہ یہ ہے کہ قرآن جب سے نازل ہوا، اب تک اور اب سے لیکر قیامت تک جوں کا توں محفوظ رہیگا۔ اسکے ایک ایک زبر زیر اور نقطے میں فرق نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (سورہ ۱۵ رکوع ۱)

"بیشک ہم ہی نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں"

قرآن اور دین پورے طور پر محفوظ ہے، کوئی انسانی طاقت اس میں ایک نقطہ کا بھی اضافہ نہیں کر سکتی۔ حفاظتِ خداوندی کی محسوس صورت یہ ہے کہ یہ کتاب مقدس حفّاظ کے سینوں میں محفوظ ہے۔ یہ خصوصیت کسی الہامی یا غیر الہامی کتاب کو حاصل نہیں۔

قرآن مجید کی شان اور اسکی خصوصیات

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اور خود باری تعالیٰ نے اس کی یہ وجہ بتلائی ہے:-

(سورۂ یوسف)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

"بیشک ہم ہی نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

اور پھر اسی سے دنیا کے تمام انسان سمجھیں، اپنی اپنی زبانوں میں اس کا ترجمہ اور تفسیر کریں اور اسکے حقائق و معارف سے واقف و آگاہ ہوں۔ پھر اس پر عمل کریں اور فلاحِ دارین کے مستحق بن جائیں۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت اس درجہ بلند و پاکیزہ ہے کہ تمام دنیا کے فصحا و بلغا مل کر بھی اُس جیسی ایک آیت بنا کر نہیں لا سکتے۔ قرآن نے نزولِ قرآن کے ۔ دُنیا والوں کو یہ چیلنج دیا تھا، دنیا بھر کے عربی داں ملکر

بھی آج تک اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے اور نہ قیامت تک اس کی نظیر لا سکیں گے۔ انسانی پرواز وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ہر عبارت اور اسکے الفاظ موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے ہیں۔ معانی صاف اور پُراز حکمت ہیں، موقع ومحل کے مطابق اور کسی بات میں کوئی ابہام نہیں۔ جبھی تو قرآن نے چیلنج کیا ہے:۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۖ (سورہ ۲ رکوع ۳)

"یعنی تم اہلِ زبان اور قادر الکلام ہو، تمہیں اپنی ادب اور شاعری پر ناز ہے، اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔"

دُوسری خصوصیت یہ ہے کہ تمام قرآن میں بے فائدہ تکرار کہیں بھی نہیں۔ ہر جگہ ہر بات سمجھی ہوئی، جہاں اختصار کی ضرورت ہے وہاں اختصار اور جہاں تفصیل کی ضرورت ہے وہاں تفصیل، غیر مفید تفصیل اور طوالت کہیں بھی نہیں۔ یہ کتاب مقدس نہ بہت طویل ہے اور نہ بہت قلیل اور احکام کی صداقت و عظمت آفتاب کی طرح روشن۔

تیسری خصوصیت۔ یہ کتاب مقدس انسان کا ماضی، اُس کا حال اور اُس کا مستقبل، زندگی کی حقیقت اور اُس کا انجام ومآل، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو گا۔ سب کچھ مناسب اور ضروری تفصیل اور دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرتی ہے، ہر حقیقت وصداقت کو واشگاف طور پر بیان کرتی ہے۔

گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے واقعات وحالات جگہ بجگہ

تمثیلاً بیان کئے گئے ہیں، قبر کے حالات اور عالم برزخ کی تمام کیفیت بیان کی ہے' قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے' انعام اور عذاب و ثواب کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

چوتھی خصوصیّت یہ کہ نفس انسانی کی حقیقت، علم و عقل کی حقیقت، اُن کے دائرے، فکر و تدبّر کے اصول، فکرِ انسانی کا میدان اور ہدایت و ضلالت کی تمام راہیں اور صورتیں سمجھا دی ہیں، قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و عِلَل اور اصُول و قوانین بتلا دیے ہیں۔

اِنسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس میں ہدایت و رہنمائی نہ کی ہو مذہب یا سیاست' معیشت یا معاشرت' تمدّن و سیاست ہو یا فلسفہ عمرانیات و اخلاقیات' ان کے متعلّق قرآن نے وہ بے نظیر تعلیم پیش کی ہے کہ انسان اُس پر غور کرے تو اُس پر وجد طاری ہو جائے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تمام تفصیلات' پیروانِ اسلام اور بنی نوعِ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ والدین سے لیکر پڑوسیوں' تمام انسانوں اور جانوروں تک کے متعلق احسان و تعلیم اور ہدایات کر دی ہیں۔ تمام تعلقات و معاملات کے آئین و ضوابط ٹھہرا دیے ہیں۔ تعزیرات و جرائم کے بہترین قوانین دئے ہیں، قانونِ وراثت اور وصیّت کے احکام بیان کئے ہیں۔

فوجداری مقدمات یعنی قصاص و حدود دیات وغیرہ واضح کر دئے ہیں۔

دیوانی یا عدالتی نظام ایسا بخشتا ہے کہ اگر وہ نافذ ہو تو اسلامی معاشرہ دنیا پر امن وعدل کا بارانِ رحمت بن کر برسنے لگے۔

قرآن میں ذکر واذکار، دُعا اور اس کی حقیقت وضرورت اور اُس کا طریقہ بھی مذکور ہے، قرآن نے جبر واستبداد اور ظلم وفساد کے تمام دروازے اور راستے بند کر دئے ہیں اور امن وعدل کی تمام راہیں سُجھادی ہیں۔

قرآن اِنسانی زندگی کا رہنما اور مُکمّل ہدایت نامہ ہے

قرآن انسانی زندگی کا وہ مکمل ضابطہ ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون وضابطے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن پاک وہ احکام بیان کرتا ہے جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اُن بداعمالیوں کو بھی بیان کر دیا ہے جن کا ارتکاب کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور عذابِ خداوندی کا سزاوار۔

قرآن انسانی زندگی کے لئے کافی ہے۔ نہ صرف یہ کہ موت تک کے حالات میں صحیح رہنمائی دیتا ہے، بعد موت کے حالات بھی بتلاتا ہے۔ یہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں (۴/۸۲) اس میں کوئی ابہام نہیں، کوئی پیچیدگی نہیں، اس میں ہر بات صاف صاف اور واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ یہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (۱۶/۸۹) ہے۔ ہر بات کو کھول کھول کر

بیان کر دینے والی یہ مکمل بھی ہے اور غیر متبدّل بھی

لیلۃ القدر اور نزولِ قرآن

یہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ قرآن کے دو نزول ہیں۔ نزول اوّل تمام قرآن شریف شبِ قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کے بیت العزت میں یکبارگی نازل ہوا پھر حسب ضرورت ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔

سب سے پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی تو بخاری شریف میں ہے حُبّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاء آپ تخلیہ پسند ہو گئے۔ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے، دوسرے لفظوں میں اللہ سے لو لگالی۔ غارِ حرا میں معتکف ہو کر تحنث کرتے یعنی عبادت کرتے، سوچتے ان انسانوں کی ہدایت کا سامان کیسے ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ غارِ حرا مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپؐ کھانے پینے کا سامان اپنے ہمراہ لے جاتے، جب یہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے پھر کھانے پینے کا سامان لے جاتے۔ کچھ عرصے تک آپؐ کا یہی شغل رہا۔

پھر جب نزولِ وحی کا وقت آ گیا تو ایک دن اچانک حضرت جبرئیل امین نظر آئے اور کہا اِقْرَأ یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو پیدا کیا اور علم سے نوازا۔ اِس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ یہ وحی کی سب سے پہلی

آیتیں ہیں اور سب سے آخری آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ (سورہ ۲ رکوع ۳۸) ہے۔ "یعنی ڈرو اُس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

آہستہ آہستہ قرآن ۲۳ سال کی مدت میں پورا کا پورا نازل ہو گیا۔

جب جبرئیل امین قرآن شریف کی کوئی آیت لے کر نازل ہوتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے سامنے تلاوت کرتے۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے اور خوب اچھی طرح یاد کر لیتے کہ کوئی جملہ، کوئی کلمہ اور کوئی لفظ رہ نہ جائے چنانچہ ارشاد ہوا:۔

إِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۚ (سورہ ۷۵ رکوع ۲)

"جب جبرئیل امین تلاوت کریں تو آپ سنیں، پھر ہم اسکو تفصیل سے بیان کر دیں گے۔"

یہ ہمارے ذمہ ہے۔ آپ کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں گے۔ آپ کے قلب مبارک میں محفوظ کر دیں گے۔ اسکی کوئی بات وضاحت کے بغیر نہ رہے گی۔

کتابتِ قرآن مجید

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک خاص مقدس جماعت جس کی امانت و دیانت اور حفظ و کتابت کی تعریف مشہور تھی، اِس بات پر

مامور تھی کہ جب جبرئیل امین سے سن کر آپؐ کوئی آیت اس کو سُنایا کریں وہ کاتبانِ وحی اس کو لکھا کریں، چنانچہ وہ اُس آیت کو لکھ لیا کرتے۔ آپؐ خود ارشاد فرماتے کہ یہ آیت یہاں۔ یعنی کتابتِ قرآن بھی ساتھ ساتھ ہوتی گئی۔ اِس مقدس جماعت کے سرخیل حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ قرآن کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو خود حضورؐ نے ترتیب دلائی تھی۔ پھر یہ ترتیب بھی خود حضورؐ کی نہیں بلکہ وہ ہے جو لوحِ محفوظ میں خود اللہ تعالیٰ کی تھی جنابؐ لوح محفوظ دیکھ کر ترتیب دیتے تھے سیّدنا حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں صحابہ کرامؓ کے مشورے سے حفّاظ کی ایک کمیٹی حضرت زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں تشکیل دی گئی، پھر اُس کمیٹی نے بڑے غور و فکر، حزم و احتیاط، چھان بین کے ساتھ تمام صحابہؓ کی صوابدید سے قرآن کو موجودہ شکل میں مُرتّب کر دیا۔

یعنی قرآنِ پاک کی تدوین و کتابت اور ترتیب میں کسی انسانی تدبیر و رائے کا دخل نہیں۔ قرآن جُوں کا تُوں وہی ہے جو نازل ہوا۔ اب تک حفاظتِ خداوندی سے محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہیگا۔ اسکی تمام باتوں پر ایمان رکھنا چاہیئے۔

قرآن کی کایا پلٹ تعلیم

یہ قرآنِ حکیم کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و تزکیہ ہی کا

نتیجہ تھا کہ اہلِ عرب کی کایا پلٹ گئی۔ وہ کچھ نہ تھے سب کچھ بن گئے۔ ذرّے سے آفتاب اور قطرے سے سمندر بن گئے۔ دل و دماغ، جذبات و احساسات اور تمام عقائد و اعمال میں تبدیلی آگئی، جاہل و وحشی عرب تمام دنیا والوں کے لئے اعلیٰ انسانیت کا نمونہ بن گئے علم و عقل کے مالک بن کر دنیا کو علم و عقل کی روشنی سے بھر دیا۔ اوہام و خرافات کی جگہ علم و عرفان کے دریا بہا دئے، تہذیب و تمدّن میں چار چاند لگا دئے، حکمت و فراست میں اقوامِ عالم کے اُستاد بن گئے، اور اگر سچ پوچھو تو عربوں نے قرآنی تعلیم حاصل کر کے موجودہ ترقی یافتہ دور کی بنیاد رکھ دی اور آج دنیا میں جہاں کہیں بھی علم و عقل کی روشنی ہے وہ انہیں کا فیضان ہے۔

قرآن نے عربوں کو اپنی تعلیم کا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور نوعِ انسانی کو علیٰ وجہ البصیرۃ اسلام کی دعوت دی ہے۔ قرآن بار بار عقل سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے، جہالت و حماقت اور اوہام و خرافات کی تاریکیوں سے نکال کر انسانوں کو علم و عقل اور ایمان کی روشنی میں لے آنا چاہتا ہے۔ ان کو امن و سلامتی کی راہوں پر چلانا چاہتا ہے اور مادّی و روحانی ترقی میں حسین و جمیل توازن پیش کر کے فلاح و ارتقاء کی تمام راہیں کھول دینا چاہتا ہے۔

قرآن کے نزول کا مقصد ہی اصلاحِ انسانیت، ارتقائے انسانیت اور فلاحِ انسانیت ہے، قرآن کے بغیر انسانوں کو قیامت تک بھی صحیح ترقی و کامرانی اور امن و عدل نہیں مل سکتا۔ دیکھ لیجئے آج دنیا کا کیا حال ہے مظلوم

ومقہور اور تباہ حال انسانیت کس طرح امن وسکون اور عدل وانصاف کے لئے تڑپ رہی ہے مگر دنیا میں یہ چیزیں کہیں بھی نہیں ملتیں۔ کیونکہ قرآن کا سیاسی، معاشی اور اخلاقی نظام اپنی اصلی شکل میں کہیں بھی نافذ نہیں۔ لہٰذا جو حال مادہ پرستوں کا ہے وہی مسلمانوں کا ہے۔

کتاب وسُنّت یا قرآن وحدیث

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ دونوں چیزیں اس طرح لازم وملزوم ہیں جیسے الفاظ ومعنی یا جسم وروح۔ دونوں میں مفارقت اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اکیلا قرآن کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ آپ کی تشریح وتفصیل اور عملی نمونہ نہ ہو، اگر اکیلا قرآن انسان کی ہدایت کے لئے کافی ہوتا تو کتاب کے ساتھ نبی کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن کو بطور خود انسان اپنی اپنی عقل کے مطابق سمجھ لیتے اور اس طرح قرآن بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتا۔ اس حقیقت سے کون صاحبِ عقل انکار کر سکتا ہے کہ نری تعلیم کافی نہیں ہوتی اسکے ساتھ عملی نمونے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر علم وفن کا یہی حال ہے۔ لہٰذا :۔

اِسلامی قانون اور اِسلامی نظام

کی بنیاد کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ دونوں پر ہے۔

پاکستان کے موجودہ حالات

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمان قرآن کی تعلیم پر انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے عامل تھے، اسلامی سیرت و کردار کے مالک تھے اور صحیح معنوں میں اسلامی نظام قائم تھا تو وہ ساری دنیا پر چھائے ہوئے تھے، تہذیب و تمدن کی طوطی بول رہی تھی، دنیا کی تمام طاغوتی طاقتیں اُن سے لرزہ براندام تھیں اور دشمنانِ دین ہر طرح خائب و خاسر تھے، کیونکہ وہ سچے مومن اور مسلمان تھے، ایک اُمت تھے اور ہر طرح منظم و متحد تھے۔

دنیا کی سب سے زیادہ روشن حقیقت آج ایک افسانہ اور دل بہلاوا نظر آتی ہے اس لئے کہ مسلمان ایمان و عملِ صالح کی رُوح کھو بیٹھے۔ فرقہ بندی، خود غرضی اور کفار کی نقالی سے تین تیرہ بارہ باٹ ہو گئے۔ اجتماعیت اور مرکزیت نہ رہی، اتحاد و تنظیم کا نشان نہیں ملتا اور جہاد فی سبیل اللہ کی رُوح ٹھنڈی پڑ گئی۔ دنیا کے مسلمان راکھ کا ڈھیر ہیں، مگر اس سے قرآن اور اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا، سارا وبال صرف مسلمانوں پر ہے۔

قرآن، اُس کی تعلیم اور اسلام تو آج بھی آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اسلام ہر طرح محفوظ ہے، اُسے نہ کبھی کوئی خطرہ لاحق ہوا، نہ آج ہے اور نہ قیامت تک ہو گا۔ خطرات تو مسلمانوں کے لئے ہیں، اور آج وہ سب کے سامنے ہیں۔ قرآن

اور اسلام کو چھوڑ کر مسلمان چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اور دنیائے مسلمین فتنوں میں مبتلا ہے۔

خاص کر آج پاکستان کو سب سے بڑے فتنے سوشلزم نے تاک لیا ہے اور ہمارے سیاسی رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں اور عوام بھی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے ہیں اور اب اُنہیں اپنی خیر صرف اسلامی نظام ہی میں نظر آتی ہے۔ اس لئے پاکستان میں جوں جوں انتخاب کا وقت قریب آرہا ہے اسلام کا نعرہ بلند ہوتا جارہا ہے اور اسلامی نظام کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے

دوسری طرف کفار و ملحدین، مشرکین و منافقین اور دولت و اقتدار کے پجاری بھی اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اگر اسلامی نظام آگیا اور سوشلزم پر موت طاری ہو گئی تو ہماری خیر نہیں۔ پاکستان سے تمام باطل نظریوں اور فتنوں کو بھاگنا پڑیگا۔ اور دشمنانِ دین کا مُنہ کالا ہوگا۔ لہٰذا وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح پاکستان میں اسلام نہ آنے پائے مگر غضب خدا کا نام وہ بھی اسلام ہی کا لے رہے ہیں، یعنی وہ اسلام کو روکنے کا ذریعہ اسلام ہی کو بنا رہے ہیں۔ وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ تمام سچے مسلمان متحد و منظم ہوں۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ نام کے مسلمان جن کو سوشلزم کا ہیضہ ہو گیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی قوانین نافذ نہ ہوں صورتِ حال یہی رہے جواب ہے اور اُن کے فسق و فجور کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو مگر ؎

ایں خیال است محال است و جنوں

اب یہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو لانے سے روک لے۔ یہ مسلمانوں کی موت وحیات کا مسئلہ ہے۔

وہ لوگ جو سوشلزم کا نام لے کر اسلام کو نہیں آنے دیتے، اُن کے لئے صرف ایک ہی آیت کافی ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○
(سورہ ۵ رکوع ۷)

"اور جو قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہیں۔"

اس آیت نے بتلایا کہ قرآن اسلامی آئین و دستور کی پہلی بنیاد ہے اس کی تشریح و توضیح صاحبِ قرآن کی سنّت سے ہوتی ہے۔ اِس آیت پر غور فرمائیے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الخ
(سورہ ۴ رکوع ۹)

"اے نبی آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات و نزاعات میں آپ کے فیصلے کو کھلے دل سے قبول نہ کر لیں"۔

معلوم ہوا کہ سنت کے بغیر قرآن کی تعلیم اور اسلام کا نظام مکمل اور قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ کتاب و سُنّت کے ہوتے ہوئے ہمیں سوشلزم کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کمیونزم اور سوشلزم دونوں ہمیں اسلام کا باغی اور نرا حیوان بنانا چاہتے ہیں

"کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی"

سوشلزم سراسر دھوکہ اور فریب ہے

سوشلزم کے حامیوں پر یہ مثال صادق آتی ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھلانے کے اور کھانے کے اور۔ نام یہ بھی اسلام ہی کا لیتے ہیں اور اُس پر ٹھپّہ چین کا لگاتے ہیں۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو کوستے اور دن ورات اُن پر لعنت بھیجتے ہیں مگر خود جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں مگر جوتے سمیت مزدوروں اور غریبوں کی آنکھوں میں گھسے چلے جا رہے ہیں۔ غضب خدا کا بجلی کی روشنی میں اتنا اندھیرا۔ یہ مکّار کہتے ہیں کہ قرآن میں سوشلزم کی تعلیم موجود ہے مگر علماء نے اپنے مفاد کی خاطر اُس کو بدل یا چھپا رکھا ہے۔ چلو بفرضِ محال یونہی سہی مگر آپ دُنیا والوں سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔ آپ کے قول وعمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے اس کو کون دُور کر سکتا ہے۔ ساری دنیا کے چینی و رُوسی میڈ مفکر و دانشور مل کر بھی آپ کو نہیں چھپا سکتے۔

اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔

یہ نام مولویوں کا لیتے ہیں لیکن درحقیقت مخالفت اسلام کی کرتے ہیں۔

غریب مولوی تو اسلام کے محض ترجمان ہیں، اُن کی ترجمانی اِن نفس کے بندوں کو کھائے جا رہی ہے۔

لیکن ہمارے علماء اور عوام کو ہرگز ہرگز ان کے دھوکے اور فریب میں

نہیں آنا چاہئے اور اپنے عمل سے ان کو یہ تبلانا اور دکھانا چاہئے کہ اسلام ایک حقیقت کا نام ہے۔

قرآن کی تعلیم اور مسلمانوں کا فرض

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب صرف اتنا نہیں کہ آپ اُس پر ایمان لائیں اس کو کلام الٰہی سمجھیں، اس کی تعلیم پر فخر کریں، اُس کی عظمت وشان کے گیت گائیں اور بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ اسے چوم چاٹ کر طاقِ نسیاں پر رکھ دیں۔ نہیں اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن کو فی الحقیقت اپنی زندگی کا قانون بنائیں حتی الامکان اُس کو سمجھیں اور اُسکی تعلیم پر عمل کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا الخ (سورہ ۳ رکوع ۱۲)

"سب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو"

یعنی اپنے تمام جذبات واحساسات، اپنے تمام عقائد واعمال اور اپنی زندگی کے تمام معاملات ومسائل کو قرآنی احکام کے مطابق بنالو۔ اور سب مِل کر اُمّتِ واحدہ بن جاؤ اور اس طرح قرآن کی تعلیم کا عملی نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آجاؤ۔

قرآن تو ہمیں یہ کہہ رہا ہے مگر ہمارے بہت سے نام نہاد علماء اور اہلِ علم یہ فرما رہے ہیں کہ کسی طرح ہم نہ بدلیں اور قرآن کو بدل دیا جائے۔ اس کے

احکام و قوانین کو اپنی من مانی تاویلات کے ذریعہ اپنی خواہشات کے مطابق بنالیا جائے۔

اسلام نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اپنی زندگی کو قرآن و حدیث کی تعلیمات و ہدایات کے مطابق بناؤ، مگر ہم قرآن و حدیث کو اپنی مرضی کے مطابق بنانا چاہتے ہیں ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

یہ کتنی افسوسناک اور جگر خراش حقیقت ہے کہ بعض اہلِ علم قرآن کے تراجم کرنے اور اس کے مطالب کو بیان کرنے میں طرح طرح کی بے احتیاطیاں اور غلطیاں کر رہے ہیں محض دنیا کمانے کے لئے اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے لئے۔

تحریفِ دین کرنے والے مذہبی پیشوا

یہ لوگ جو قرآن و حدیث کے تراجم محض تجارتی نقطۂ نظر سے کر رہے ہیں، اُنکی صحت اور عظمت و شان کا خیال نہیں کرتے، وہ اس دَور میں یہود و نصاریٰ کے اُن علماء کی مثال و نمونہ ہیں، جنہوں نے اللہ کی کتاب کو دُنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ قرآن نے متعدّد مقامات پر اُن کی شدید مذمّت کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الخ (سورہ ۲ رکوع ۶)

"افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"

یعنی اپنی خواہش و رائے کے مطابق اللہ کی کتابوں کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہیں اللہ کے دین کے احکام، اپنی ذاتی تحقیق و رائے کو دین سمجھتے اور کہتے ہیں اور لوگوں کو بھی اپنے مطلب کے مطابق احکام دین سکھاتے ہیں۔ ان کی اس روش کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ:۔

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی رقم مل جائے

اسی طرح ہمارے بعض تاجرِ کتب اور علماء نے قرآن و حدیث کے تراجم و تفاسیر وغیرہ کو حصولِ زر کا ذریعہ بنا رکھا ہے، وہ جان بوجھ کر قرآن و حدیث کے مطالب و معانی کو تاویلاتِ باطلہ کی سان پر چڑھا کر اُن کے حقیقی مقاصد و مطالب بدل رہے ہیں اور غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ اسی قسم کے لوگوں کے متعلق قرآن کا اعلان ہے:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ج الخ (سورہ ۶ رکوع ۱۱)

"پس اُس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر بہتان باندھے"

یعنی وہ بہت بڑا ظالم ہے جو اپنی خواہش و رائے کے متعلق کہتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم

اور دین کی بات ہے۔ اِس زمانے میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کو اپنے اغراض و مقاصد کے حصُول کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اسلامی احکام کو بدلنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

تحریفِ معنوی کی پہلی مِثال

ذرا غور فرمایئے سُورۂ حشر کی ایک آیت ہے:۔ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ۔ یہ تو اشتراکیت زدہ حضرات نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس کا صحیح مفہوم و مفاد کیا ہے؟ اِس کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ اپنا مال تقسیم کر دو کہ یہ دولت امیروں کے پاس نہ رہے، اور اس کو غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ بھلا اسلام سے زیادہ غربا و مساکین کا ہمدرد اور کون ہو سکتا ہے، اس نے ان کی مالی مدد کے مستقِل اصُول و قوانین بنا دیئے ہیں کہ اگر اُن پر عمل کیا جائے تو جاگیرداری اور سرمایہ داری کی جڑ ہی کٹ جائے مگر اس آیت میں ان کا ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ وہ علیحدہ بات ہے اور یہ علیحدہ بات۔ مگر سوشلزم کے حامیوں کو اس سے کیا مطلب وہ تو قرآن سے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔

اِن ظالموں نے آیتِ زیرِ بحث کا پہلا حصّہ چھوڑ دیا اور آخری عبارت کو بھی نظر انداز کر دیا یعنی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنے مطلب کے سانچے میں ڈھال لیا۔ یہ آیت یُوں شروع ہوتی ہے:۔

مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی الخ (یعنی وہ مال جو بغیر جہاد کے اللہ اپنے رسولؐ کو عطا فرمائے)

ایسے مال کو "فیٔ" کہتے ہیں اور جو مال جہاد سے حاصل ہو اسے "مالِ غنیمت" کہتے ہیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کا حکم دسویں پارے کی پہلی آیت میں ہے۔ اس آیت میں مال فیٔ کی تقسیم کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں حصّے مقرر کر دئے گئے ہیں۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، ایک آپؐ کے عزیز و اقارب کا اور ایک غربار و مساکین کا۔ مطلب یہ کہ مالِ فیٔ کو اس حکم خداوندی کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے۔ یہ مال صرف دولتمندوں تک ہی نہیں رہنا چاہیئے۔ یہ مال معاشرے میں چلتا پھرتا اور سب کی ضرورتیں پوری کرتا رہے۔ بات صرف یہ تھی کہ ماؤ کے عاشقوں نے اندھے ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلام کے مطلب کو بدل دیا۔

قرآن کے معانی بدلنے کی دوسری مثال

ایک واعظ و مُبلّغ صاحب آیت وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ الخ (سورہ ۴۶ رکوع ۱) کا ترجمہ و تفسیر بیان کر رہے تھے۔ یعنی "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ آپ کہہ دیں مَیں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔"

مطلب یہ کہ وہ واعظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی اپنے عقیدے

کے مطابق تنقیص کر رہا تھا کہ حضورؐ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور دوسروں کے ساتھ کیا ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں قرآن مبین میں بذریعۂ وحی بیان کر دی ہیں، مگر واعظ صاحب کو تو قرآن سے اپنا عقیدہ منوانا تھا، اُنہوں نے اس آیت کو اپنا رنگ دے دیا اور اسکے مفہوم کو ایسے انداز سے بیان کیا کہ حضورؐ کے علم کی توہین و تنقیص نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قرآن پاک سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ ○

"اے اللہ! میں تجھ سے شیاطین کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ مانگتا ہوں"۔

اِس کے بعد دوسری آیت میں ارشادِ خداوندی ہوا :۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○

"یعنی آپؐ کا رب آپ کو ایسی ایسی عظیم نعمتیں، فضیلتیں اور اعزاز و اکرام عطا فرمائے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے"۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اگر جہنم میں میرا ایک اُمّتی بھی ہوگا تو مَیں راضی نہ ہوں گا۔ جب سب کی شفاعت قبول ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:۔ "اب تو آپ راضی ہیں؟" مَیں عرض کرونگا

کہ ہاں اب میں راضی ہو گیا۔

واعظ نے منسوخ آیت کا ترجمہ بیان کر کے عوام کو دھوکہ دیا۔ یہ آیت منسوخ کے حکم میں ہے۔ اب پہلی آیت کا مفہوم سمجھئے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے آنے سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ آیت وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ معاملہ ہوگا۔ اب اُس آیت کا مفہوم بغیر اس آیت کے مفہوم کے لوگوں سے بیان کرنا اُن کو دھوکہ دینا نہیں تو اور کیا ہے؟

تحریفِ معنوی اور غلط بیانی کی تیسری مثال

میں جا رہا تھا اتفاقاً ایک مجمع پر نظر پڑی جس میں ایک مولوی صاحب وعظ بیان فرما رہے تھے۔ اس آیت کا مفہوم بیان ہو رہا تھا:۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝

(سورہ ۱۸، رکوع ۱۲)

"اے نبیؐ! آپ کہہ دیں کہ میں تم کو بتلاؤں وہ لوگ جن کی تمام دنیوی کوششیں رائیگاں گئیں مگر وہ اُن کوششوں کو اچھا خیال کر رہے ہیں۔"

اس آیت کا مفہوم اپنی جگہ تھا، مگر واعظ و مولوی صاحب نے اسکو نظر انداز

کر کے اپنا مفہوم یوں بیان کرنا شروع کر دیا:۔

"گیارہویں کرنا، چالیسواں کرنا اور فاتحہ دلانا وغیرہ تمام بدعات اس میں داخل ہیں، لوگ اِن کو اچھا سمجھ کر بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کرتے ہیں، مگر قرآن کہتا ہے کہ یہ سب اعمال ضائع ہو جانے والے ہیں۔"

لیجئے اِن حضرت نے قرآن سے اپنی بات منوانے کی ناکام کوشش کی اور یہ نہ سمجھا کہ یہاں قرآن کیا کہہ رہا ہے اور کِن سے کہہ رہا ہے؟ اگلی آیت میں یہ بات صاف کر دی گئی۔ ارشاد فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ "یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں۔"

بات کافروں کی تھی کہ یہ اپنی دُنیوی ترقی وخوشحالی دیکھ دیکھ کر خوش اور مست و مگن ہیں، سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت اچھا کر رہے ہیں مگر اِن نادانوں کو پتہ نہیں کہ اُن کے یہ سب اعمال ضائع ہو جانے والے ہیں، یہ اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

دیکھا آپ نے، بات کافروں کی اور اس کو چسپاں کر دیا مسلمانوں پر۔ ایسے مولویوں اور واعظوں کو اللہ ہی سمجھے گا۔ خیر سے یہ مولوی صاحب حافظ بھی تھے۔ میں اُن کو خوب جانتا ہوں۔ بہر حال آیت میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ نیکی اور عملِ صالح ایمان کے تابع ہے۔ اگر ایمان ہو تو تمام اعمال اچھے اور نتیجہ خیز ہوں گے اور جو اعمال ایمان کے بغیر کئے جا رہے ہیں وہ ضائع ہو جائیں گے۔

مَن مانی تاوِیل کی چوتھی مِثال

آج کل سوشلزم کے حامیوں نے قرآن وحدیث کی من مانی تاویلات، غلط بیانیوں اور ابلہ فریبیوں کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ایسی ایسی نادانیوں اور دھاندلیوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، یہ لوگ اپنے علم وعقل کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ غور فرمایئے:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں چند لوگ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مدینۂ طیبہ کی آبادی سے دُور ایک زمین بیکار اور غیر آباد پڑی ہے، اگر ہم اُس کو آباد کر لیں تو آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے اُن کے جواب میں فرمایا:۔

"اَلْمَالُ مَالُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ یعنی مال بھی اللہ کا ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔"

مطلب یہ کہ جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو، اُس زمین کا مالک اللہ ہے۔ اور اللہ کے بندوں میں سے جو بندہ بھی اُس کو آباد کرلے وہی اُس کا مالک۔ یہ مال ومتاعِ دُنیوی بھی اللہ کا ہے اور بندے بھی سب اللہ کے ہیں، اُنھیں اپنی اپنی ملکیتوں میں تصرّف کرنے کا حق قانونِ الٰہی کے مطابق حاصل ہے۔ تم جاؤ اس کو آباد کرو اور اس کے مالک بن جاؤ۔

ایسی زمینوں کو شریعت کی اصطلاح میں موات کہا جاتا ہے۔ یعنی مُردہ یا غیر آباد زمینیں، فقہ کا یہ ایک مستقل باب ہے۔ فقہاء اس بارے میں بیان کرتے ہیں:۔

"جو چرندے اور پرندے کسی کی ملکیت میں نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اُن کا مالک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول کے مطابق جو شخص اُن کو پکڑے گا وہی اُن کا مالک ہو جائے گا۔"

جنگل کے ہرن اور نیل گائے وغیرہ، ہوائی جانور کبوتر، طوطے اور مُرغابی وغیرہ اِسی حکم میں داخل ہیں۔

اگر کوئی مال کسی کے قبضے و ملکیت میں ہو، اُس کو ڈرا دھمکا کر جبراً چھین لینا ڈکیتی کہلاتا ہے اور کسی کے مال کو ایسے طریقہ سے اپنے قبضے میں لینا جس سے اُسکے مالک کو خبر نہ ہو چوری کہلاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں بڑا ظلم، جُرم اور باعثِ تعزیر ہیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق قطعِ ید یعنی ہاتھ کا کاٹنا وغیرہ۔

حضور پُرنور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور دو شخص پیش ہوئے۔ دونوں میں ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ میری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: "ثبوت سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ جو کوئی اپنی غلط بیانی سے زمین پر ناجائز قبضہ کرے گا، وہ میدانِ حشر میں اس طرح لایا جائے گا

کہ اسکے گلے میں ساتوں زمینیں پاٹ کی طرح پڑی ہوئی ہوں گی۔"

یہ سنتے ہی ایک شخص نے کہا کہ میں اپنا دعویٰ واپس لیتا ہوں۔ یہ زمین آپ اِس دوسرے شخص کو دے دیں۔

دیکھا آپ نے اِس کو ایمان کہتے ہیں اور یہ ہے اسلامی شریعت کا قانونِ ملکیت اور یہ ہے اخلاق۔ درحقیقت اسلامی معاشرہ، چوری، ڈکیتی، رشوت اور چوربازاری وغیرہ معاشی جرائم سے بالکل پاک ہوتا ہے۔

قُرآن شریف کے مُتعلّق ایک عجیب لطیفہ

مشرکینِ مکّہ قرآن، اسلام اور حضورؐ کی نبوّت کے منکر اور سخت دشمن تھے آئے دن اس کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے، انہوں نے قرآن پاک کے تین کلمات پر اعتراض کیا کہ یہ عجمی ہیں۔ اِن کو اہلِ عرب استعمال نہیں کرتے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ وہ تین کلمات یہ ہیں:۔

(۱) ھُزُوًا۔ یہ کلمہ قرآن پاک میں چند مقامات پر آیا ہے۔ چنانچہ سورہ ۱۸ اور رکوع ۱۲ میں ہے: وَاتَّخَذُوْا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ ھُزُوًاج یعنی انہوں نے میری آیات اور میرے رسُولوں کو مذاق بنالیا ہے۔ ھُزُوًا کے معنے ہنسی مذاق، ٹھٹھّے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ دشمنانِ دین قرآن اور میرے رسُولوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ ایک کلمہ یہ ہُوا۔

(٢) دُوسرا کلمہ کُبّٰار ہے۔ کفارِ مکہ کہتے تھے کہ کبیر تو بیشک ایک عربی زبان کا کلمہ ہے جس کو ہم جانتے ہیں مگر یہ کُبّار کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ کلمہ سورۂ نوحؑ میں آیا ہے:۔

وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا ج یعنی کفار نے حضرت نوح علیہ السّلام کے مقابلے میں بڑا مکر کیا۔ (یعنی خفیہ تدبیر کی) یہ ہوا دُوسرا کلمہ۔

(٣) تیسرا کلمہ ہے "عُجَاب" مشرکینِ مکّہ اس کو بھی بڑا عجیب اور اجنبی کلمہ بتلاتے تھے۔ اور ان تینوں کلمات کے متعلق اوندھے سیدھے اعتراضات کرتے تھے۔

رسُولِ مقبُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جوَاب

حضورؐ نے اُن کی باتوں کو سُن کر ارشاد فرمایا کہ اچھا جاؤ کسی بوڑھے عرب کو لے آؤ اور ان تینوں کلمات کے متعلق اُس سے دریافت کرو کہ یہ عربی ہیں یا عجمی۔ بس ابھی فیصلہ ہُوا جاتا ہے۔

مُشرکینِ مکہ میں اِس بات کی دھوم مچ گئی، کسی بوڑھے کی تلاش شروع ہوئی، ایک دن ایک بوڑھا شخص نظر آیا کہ لکڑیوں کا گٹھّا سر پر اٹھائے ہوئے بس اِن کا کام بن گیا۔

اُس بوڑھے سے سب باتیں بیان کیں اور کہا کہ بس اب فیصلہ تم پر ہے

بڑا اجتماع ہوا، لوگ منتظر تھے کہ دیکھئے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رونق افروز ہو گئے۔ اُس بوڑھے سے فرمایا۔ آیئے بیٹھئے۔ جب وہ بیٹھ گیا تو فوراً فرمایا قُمْ یعنی کھڑے ہو جاؤ، وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر فرمایا اِجْلِسْ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا۔ پھر دوبارہ قُم کہا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ دو٢ مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ وہ ضعیف العمر تھا، تھکا ماندہ تھا، گھبرا گیا اور کہا۔ اس کی گفتگو میں بے اختیار اُس کی زبان سے وہی تینوں کلمات نکل آئے جن کے متعلق اعتراض تھا۔ اُس نے کہا اَتَتَّخِذُنِیْ ھُزُوًا آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، کبھی اُٹھاتے ہیں اور کبھی بٹھاتے ہیں۔ اِنِّیْ شَیْخٌ میں بوڑھا شخص ہوں، یہ آپ کیا کرتے ہیں کہ کبھی اٹھاتے ہیں اور کبھی بٹھاتے ہیں اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءُ عُجَابٌ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

اب کیا تھا اہلِ عرب نے سُن لیا اور دیکھ لیا کہ مشرکینِ مکّہ کے ان تینوں کلمات پر اعتراضات جاہلانہ ومعاندانہ تھے، یہ تینوں عربی ہیں۔ وہ ہار گئے اور حق وصداقت کا بول بالا ہو گیا۔ ایمان پختہ ہو گیا کہ بیشک یہ کلامِ الٰہی اور ہدایت کا منبع ہے۔

تلاوتِ قرآن کے آداب ومسائل

(١) قرآن شریف کو بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے۔ قرآن کا حکم ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۝ پاک لوگ ہی اس کو چھوئیں۔ اِس بنا پر قرآن کو

بے وضو چھونا منع ہے۔ ہاں بے وضو شخص یا حافظ قرآن کی زبانی تلاوت کرسکتا ہے۔

(۲) جس شخص پر غسل کرنا فرض و واجب ہو وہ قرآن کو نہ ہاتھ لگا سکتا ہے اور نہ حفظ پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح حائضہ عورت کا ذکر ہے۔

(۳) تلاوت کرتے وقت پاک صاف ہو کر، پاک لباس پہن کر اور قبلہ رُو مؤدّب ہو کر تلاوت کرے۔

(۴) تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم کا پڑھنا واجب ہے اگر سُورت کی ابتدا ہے تو اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ کا پڑھنا سنّت ہے ورنہ مستحب۔

(۵) اگر تلاوت کے وقت کوئی دنیوی کام کرلیا مثلاً کسی کو سلام کا جواب دیا یا چراغ جلایا یا بُجھایا اور تلاوت کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو پھر تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے، ہاں اگر دینی کام کیا یعنی اذان کا جواب دیا تو پھر ضروری نہیں۔

(۶) جب قرآن کی آواز سُنے تو اس کی طرف متوجہ ہو۔

(۷) اگر لوگوں کا مجمع ہو تو تلاوت آہستہ آواز میں کرے۔

بابِ چہارُم

فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان

ملائکہ "ملک" کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو صرف رُوح سے پیدا کیا ہے۔ اِن میں مادہ نہیں ہوتا، یہ ارواحِ مجردہ ہیں۔ وہ انسانوں کو اسی وجہ سے نظر نہیں آتے، جیسے خود انسان اپنی روح کو نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح ہم جیسے خاکی انسان اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ نہ اُن کو مرد کہا جا سکتا ہے نہ عورت، تذکیر و تانیث تو انسان اور حیوان کے ساتھ مخصوص ہے۔ فرشتوں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ یہ نہ کھاتے نہ پیتے ہیں۔ کھانا پینا تو انسان و حیوان کے ساتھ خاص ہے۔ انکی تعریف باجماعِ اُمّت یوں کی گئی ہے:۔

اَجْسَامٌ نُوْرَانِیَّۃٌ تَتَشَکَّلُ بِاَجْسَامٍ مُّخْتَلِفَۃٍ

"یعنی وہ نورانی اجسام ہیں، جو مختلف صورتیں اختیار کر سکتے ہیں"۔

حضرت جبرئیل علیہ السّلام کا اِنسانی صورت میں متشکّل ہونا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دیہاتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آپ کے قریب گھٹنوں سے گھٹنے مِلا کر بیٹھ گیا اور

آپ سے دین کے بنیادی امور کے متعلق سوالات کرنے لگا۔ صحابہؓ حیران تھے کہ یہ کون ہے۔ دیہاتی آدمی اور ایسے اہم سوالات۔ خود ہی سوال کرتا ہے۔ جب اُس کا صحیح جواب پاتا ہے تو پھر اُس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ جب وہ رخصت ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ جبرئیلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے" یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے پہلے باب ایمان میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے اور حدیثِ جبرئیلؑ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح اور بھی کتبِ حدیث میں اس قسم کی روایتیں آئی ہیں جن سے یہ تعریف اخذ کی گئی کہ یہ نورانی مخلوق ہیں اور مختلف صورتوں میں متشکل ہو سکتے ہیں۔

کِراماً کاتِبین

یعنی انسانی اعمال لکھنے اور اعمال نامہ مرتّب کرنے والے دو۲ معزز فرشتے جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ یہ دو۲ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر انسان کے دائیں بائیں متعیّن ہیں۔ ایک فرشتہ نیک اعمال لکھتا ہے اور دُوسرا بد اعمال۔ کوئی رتّی برابر نیکی و بدی ایسی نہیں جس کو یہ فرشتے نہ لکھ لیتے ہوں۔ یہ قدرت کی مقررہ کی ہوئی سی۔ آئی۔ ڈی ہے۔ اگر مسلمان کا ایمان اس بات پر قوی ہو تو وہ انسان کی صورت میں فرشتہ بن جائے۔

ان کی تبدیلی فجر اور عصر کے وقت ہوتی ہے۔ اِس طرح کہ رات کا فرشتہ

فجر کی نماز تک اپنا کام کرتا ہے اور دن کا فرشتہ عصر کی نماز تک کام کرتا ہے۔ یعنی یہ فرشتے وہ ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جو انسان کی نیکی وبدی لکھتے ہیں۔ انہی کو ملائکۃ اللیل اور ملائکۃ النہار بھی کہا گیا ہے۔ قرآن نے انہی کو کراماً کاتبین کہا ہے۔ یہ اعمال کی حفاظت ونگرانی کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے:۔

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○

(سورۃ قٓ پارہ ۲۶)

"کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر اسکے پاس ایک حفاظت کرنیوالا تیار رہتا ہے۔"

انہی کے متعلق تیسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (سورہ ۱۱۰۔ رکوع ۱۲)

"تم پر حفاظت کرنے والے ہیں کراماً کاتبین، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔"

اعمال کی ذمّہ داری کا احساس

ان آیتوں کا مفہوم ومفاد یہ ہے کہ اعمال کی ذمّہ داری کا احساس ہی

شرفِ انسانیت کا ثبوت اور اسکی ترقی کی بنیاد ہے۔ انسان جس قدر ترقی کرتا چلا جاتا ہے اُسی قدر وہ روحانی و مادی ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ انسان کا کوئی عمل بھی بے نتیجہ نہیں رہتا۔ نیک اعمال روحانی و اخلاقی ترقی کی راہیں کھولتے ہیں اور بد اعمال تنزل و انحطاط اور تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔ پس اعمال کی اہمیت اور ان کی ذمّہ داری کا احساس ہی ہر قسم کی اصلاح و ترقی کا بنیادی قدم ہے۔ اگر یہ احساس مٹ جائے تو ہر انسان نفس و شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔

فرشتوں کے متعلق فرمایا گیا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝

(سورہ ۲۶/ پارہ ۲۷)

"فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے"

(اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ وہ نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ اُن میں نافرمانی کا مادہ ہی نہیں، نافرمانی کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے) اور جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں، تمام اُمّت کا اس عقیدے پر اجماع ہے کہ فرشتے معصوم ہیں۔ اُن سے غلطی، بھول چوک اور حکم عدولی ہو ہی نہیں سکتی۔

ذکرِ الٰہی ان کی غذا ہے اور حکمِ الٰہی کا اجراء و نفاذ اُن کا ایمان۔ وہ ترقی بھی نہیں کر سکتے۔ ترقی کرنا تو خاکی انسان ہی کا کام اور اُسی کو زیب دیتا ہے

چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (سورہ ۳۲ رکوع ۵)

ترجمہ "ہمیں ہر ایک کا مقام معلوم ہے۔"

اُن کو ترقی کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔

چار مشہور فرشتے

جو مقام اور کام اللہ نے جن فرشتوں کے لئے مقرر کر دیا ہے وہ وہی ہے کبھی نہیں وہ اُس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے۔ یہ ترقی و زوال تو حضرت انسان کے لئے ہے۔ وہ چاہے تو ترقی کرتا کرتا فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ جائے اور اگر تنزّل و پستی کی طرف مائل ہو تو فرعون کا بھی گرو بن جائے اور شیطان کے بھی کان کاٹ لے ؎

"پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی"

فرشتوں کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں ان کی تعداد جاننے کی ضرورت بھی نہیں، ایک بیکار اور لاحاصل چیز ہے۔

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ج

"تیرے رب کے لشکر کو بس تیرا رب ہی جانتا ہے"

تمام فرشتوں کے سردار و سرتاج چار فرشتے ہیں:۔

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السّلام (۲) حضرت میکائیل علیہ السّلام (۳) حضرت اسرافیل علیہ السّلام اور حضرت عزرائیل علیہ السّلام۔

حضرت جبرئیل علیہ السّلام کا کام انبیاء علیہم السلام پر وحی لانا تھا اور اب الہام و القاء کرنا ہے۔ یہی مومنوں کی جنگ میں مدد کے لئے فرشتوں کی فوج لے کر آتے، فتح و نصرت دلاتے، مومنوں کے حوصلے بڑھاتے اور امن و سلامتی کی راہیں کھولتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام زراعت اور عالمِ نباتات پر متعیّن ہیں، زمین کی روئیدگی و بارآوری اور جانداروں کی رزق رسانی کا کام کرتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام ارواح کو قبض کرنے کے کام پر مامور ہیں، موت کا کاروبار کرتے اور زندگی کا قصّہ تمام کرتے ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صُور لئے قیامت کے منتظر ہیں کہ صُور پھونکیں اور قیامت آئے۔

فرشتے مجاہدوں کی مدد کیلئے آتے ہیں

فرشتے مجاہدوں کی مدد کے لئے آتے ہیں، اُن کے حوصلے بڑھاتے، اُن کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگتے اور کافروں کے دلوں میں مجاہدوں کا رُعب ڈالتے ہیں اور مجاہد اس طرح اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دنیا کی طاغوتی طاقتوں کے چھکّے چھڑا دیتے اور دشمنانِ دین کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتے ہیں فرشتوں کی مدد کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے اور احادیث میں بھی۔ چنانچہ

سورۂ احزاب میں ہے: وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا "اور ہم نے فرشتوں کے لشکر سے تمہاری مدد کی جس کو تم نہ دیکھتے تھے۔"

سورۂ آلِ عمران میں ہے کہ جنگِ بدر میں فرشتے مومنوں کی مدد کے لئے آئے۔ اسی طرح مومنوں اور مجاہدوں کی مدد ہمیشہ کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ یہ میدان میں آئے اور فرشتے ان کی مدد کو پہنچے۔

تازہ ثبوت ہے کہ معرکہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی بہادر اور شیر دِل افواج کی مدد کے لئے فرشتے آئے۔ جبھی تو ہمارے جانباز غازیوں اور اللہ کے شیروں نے بھارت کی بُزدل اور ٹڈی دَل فوج کو وہ عبرتناک شکست دی کہ بھارت کے آقا بھی حسن بدنداں ہو کر رہ گئے اور بھارت کے لیڈر بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ اور جب کبھی بھی بھارت پاکستان کا رُخ کرے گا اسی طرح مُنہ کی کھائے گا۔

ایک صحابی کا واقعہ

ایک غزوہ میں ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے ایک کافر کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار لے کر اس کی طرف دوڑا۔ اِس اثنا میں آواز غیبی سنائی دی کہ اَقْدِمْ یَا حَیْزُوْمُ۔ اِس آواز کے ساتھ ہی میرے اُس تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ مرگیا۔ حضور! یہ کیا بات تھی؟ فرمایا حیزوم جبرئیلؑ کے گھوڑے کا نام ہے۔ جو تم سے آگے تھا۔ جبرئیلؑ نے اس کو مار گرایا۔ اُس کا چہرہ جو

سیاہ ہوگیا وہ اُن کی ضرب کی نشانی ہے اور اُس کی ناک وغیرہ اعضاء پر بھی اُن کی ضرب کا نشان ہے۔

الغرض کچھ ایسے بھی فرشتے ہیں جو مومنوں اور مجاہدوں کی مدد کرتے ہیں۔ ان کی یہی ڈیوٹی ہے۔ اِن پر ایمان لانا چاہئے۔

مختلف کاموں پر مختلف فرشتے

فرشتوں کی ایک ایسی جماعت ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں جب کبھی بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت بخلوصِ قلب دُرود شریف پڑھے تو وہ دُرود شریف کا ہدیۂ محبّت وعقیدت لے کر دربارِ رسالت میں درود بھیجنے والے کا نام لے کر بصد ادب واحترام پیش کرتے ہیں حضورؐ جواب دے کر قبول فرماتے ہیں۔

ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ وعظ ونصیحت، درس وتدریس اور ذکرِ الٰہی کی مجلسیں تلاش کرتے پھرتے رہتے ہیں۔ جہاں اُن کو کوئی ایسا مجمع اور مجلس نظر آتی ہے جہاں اللہ ورسول کا ذکر ہو رہا ہو، اُس میں بیٹھ جاتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ مجلس ختم ہو جاتی ہے تو وہ دربارِ الٰہی میں پہنچتے ہیں۔ ارشادِ باری ہوتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا؟ وہ عرض کرتے ہیں۔ بارِ الٰہا! وہ تیرا اور تیرے رسولؐ کا ذکر کر رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ جاؤ ہم نے اُن سب کو بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے

ربِّ غفور! اُس مجلس میں ایک بے غرض شخص بھی آیا تھا۔ اس کی غرض سننا نہیں تھا، یونہی گھومتا پھرتا چلا آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جاؤ ہم نے اسکو بھی اُن نیک لوگوں کی برکت سے بخش دیا"۔

ملائکہ کے مُتعلِّق آخری بات

قرآنِ حکیم نے صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص ملائکہ کے وجود کو تسلیم نہ کرے یا اس کی کوئی ایسی تاویل و تعبیر کرے جو ملائکہ پر ایمان لانے کا مقصد ہی فوت کرے تو وہ خارج از اسلام ہے۔ لہٰذا فرشتوں پر اُسی طرح ایمان لانا چاہئے جس طرح ہمارے سلف صالحین نے بتلایا۔ اِس میں اپنی عقل کی ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے۔ قرآن کا اعلان سُنئے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ (سورہ ۲ رکوع ۱۲)

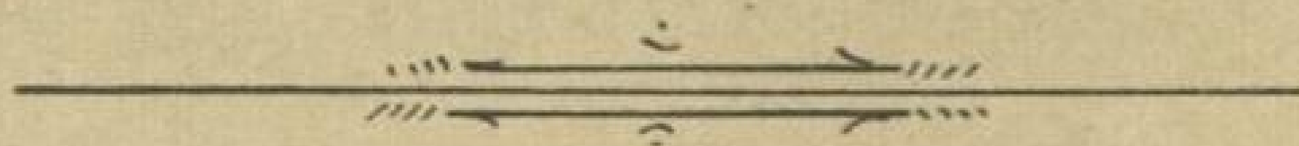
"کہہ دیجئے جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور خاص طور پر جبرئیلؑ و میکائیلؑ کا سو اللہ دشمن ہے اُن کافروں کا"۔

یہود کہتے تھے کہ یہ جبرئیلؑ فرشتہ اس نبی پر وحی لاتا ہے، جو ہمارا دشمن ہے۔ یہ فرشتہ ہمارے بڑوں پر عذاب لاتا رہا اور اس نے ہمیں تکلیفیں پہنچائی ہیں اگر کوئی دوسرا فرشتہ وحی لائے تو پھر ہم ایمان لائیں۔ اِن کے جواب میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ بیوقوفو! کہ فرشتے جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے لہٰذا جو اُن کا دشمن ہوا اللہ اُن کا دشمن ہے۔

پس مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ ملائکہ (فرشتوں پر ایمان لانا چاہئے)

اس مادّہ پرستی کے دور میں یہ ایمان ہی ہمیں اخلاق و رُوحانیت اور وہ طاقت واقتدار دے سکتا ہے جس کے مستحق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہوئے ایمان کی تازگی و پختگی ہی ہماری تمام ذلّتوں، پستیوں اور کمزوریوں واحد علاج ہے۔ اس کے بغیر اگر ہر پاکستانی صدرِ مملکت، وزیر اور سفیر بھی بن جائے تو اس کو صحیح معنوں میں ترقی نہیں کہہ سکتے۔



بَابُ پنجمؔ

یومِ آخر پر ایمان لانا

باب پنجم کے بیان سے پہلے ضروری ہے کہ اس باب کے مضامین کی ایک تمہید لکھی جائے تاکہ ایمان کے اِس پانچویں رُکن کی پوری حقیقت واہمیت کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں :-

عَالمُ تین۳ ھیں :-

(۱) **عالمِ دُنیا** :- یعنی یہ مادّی کائنات، جو مادی عناصر کا مجموعہ اور مادہ و قوت وحرکت کا ظہور ہے۔ اِس عالم میں ہم پیدائش سے لے کر موت تک رہتے ہیں۔ اِس کو دنیا اس واسطے کہتے ہیں کہ اس میں رہتے ہیں۔ یہ ہم سے قریب ہے، اسے ہم محسوس کرتے ہیں اور اس کی چیزوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۲) **عالمِ برزخ** :- موت کے بعد ہم اِسی عالم میں جاتے ہیں۔ یہ عالم موت سے لیکر قیامت تک قائم وبرقرار رہے گا۔ اس کے متعلّق قرآن شریف میں آیا ہے :-

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○

ترجمہ:- اور ان کے پیچھے برزخ ہے، مرنے کے بعد جی اٹھنے تک۔

(سورہ ۲۳، رکوع ۶)

مُردے اور عالمِ برزخ

سوال: مرنے کے بعد انسان کہاں جاتے ہیں؟ اسلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ عالمِ برزخ میں چلے جاتے ہیں۔ یعنی یہ مُردوں کا عالم ہے، عالمِ دنیا زندوں کا عالم ہے۔ اِس عالمِ برزخ میں مُردوں کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ عالمِ دنیا میں روح جسم کے تابع رہتی ہے، جسم کو جو تکلیف و راحت پہنچتی ہے، اُس سے روح بھی متأثر ہوتی ہے، اِسکے برخلاف عالمِ برزخ میں جسم رُوح کا ہوتا ہے۔ جو عذاب یا ثواب رُوح کو پہنچتا ہے اُس سے جسم بھی متأثر ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد صرف جسمانی زندگی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے نہ کہ زندگی بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔ زندگی تو ایک جُوئے رواں ہے، جس کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ جو دوسری قسم کی زندگی ہے۔ عالمِ برزخ کو یوم الآخر بھی کہتے ہیں۔ یوم کے معنے وقت کے ہیں یعنی دنیا کا آخری وقت

(۳) تیسرا عالمَ، عالمِ حشر ہے۔ پہلی دفعہ صور پھونکنے سے کُل عالمِ دنیا پر فنا طاری ہو جائے گی۔ بجز اللہ کی ذات کے کچھ بھی باقی نہ رہے گا یہاں کی چیز فانی ہے، فنا سے کسی ذی روح کو مفر نہیں۔ دوسری مرتبہ

صور پھونکنے سے تمام مُردے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہو جائینگے۔
عالمِ برزخ اور عالمِ حشر دونوں کو اسلام کی اصطلاح میں آخرت کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں ایمان بالآخرت کا مطالبہ آیا ہے وہاں مُراد یہ ہے کہ عالمِ برزخ اور عالمِ حشر کی قرآن و حدیث کی بیان کردہ تفصیلات پر ایمان لاؤ۔ یہ ایمان کا پانچواں رکن ہے جس کا اس باب میں ذکر ہو رہا ہے۔
ایک بات تو بطورِ تمہید یہ ہوئی جس کا بیان اوپر کیا گیا اور اب دوسری تمہیدی بات سنئے:۔

علوم کی قسمیں

سردارِ دوعالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ علوم عطا فرمائے تھے۔ حواسِ خمسہ، سماعت: سُنا ۲۔ بصیرت دیکھنا، ۳۔ ذوق: چکھنا ۴۔ شمامہ: سونگھنا ۵۔ لمس بدن کی حِس ۶۔ عقلِ سلیم ۷۔ نورِ قلب ۸۔ وحی ـــ نورِ قلب کو قرآن شریف نے شرح صدر کہا ہے اور جناب کو علوم اوّلین و آخرین عطا کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو ۷ علوم عطا فرمائے ہیں۔ حواس خمسہ ۶۔ عقل سلیم ۷۔ نورِ قلب جو باتّباع نبی عطا کیا جاتا ہے۔
نورِ قلب جس کو شرح صدر اور نورِ نبوّت کہتے ہیں۔ علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جناب نے نورِ قلب سے فرشتوں کو، عذابِ قبر کو، ثوابِ قبر کو، جنت کو، جہنم کو

دیکھا یعنی عالمِ غیب نورِ قلب کے سامنے عالمِ مشاہدہ ہو گیا تھا۔ اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

عام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے چھ علوم عطا فرمائے ہیں۔ حواس خمسہ عقل، انسانی شرافت علم پر موقوف ہے، بے علم نہ خدا کو جانتا ہے، نہ دنیا کو اور نہ خود کو

غیب کیا ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قرآن شریف کی پہلی سورت بقر کی ابتدائی آیتوں میں ارشاد ہے اس کتاب (قرآن حکیم) میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ متقین کے واسطے ہدایت نامہ ہے اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں (یومنون بالغیب) ایمان بالغیب مومنین کی سب سے پہلی اور بڑی صفت ہے۔ نیز معیارِ ایمان وتقویٰ ہے۔ اسلامی زندگی کا منبع ہے اور اخلاق وروحانیت کا خزانہ ہے۔

قرآن حکیم نے ابتدا ہی میں مادّہ پرستی اور کفر والحاد کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے

اہلِ تحقیق نے غیب شرعی کی تعریف یوں کی ہے:۔

لَا یُدْرِکُہُ الْحِسُّ وَلَا بَدَاھَۃُ الْعَقْلِ یعنی غیب وہ ہے جس کو حواسِ خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہ معلوم کیا جاسکے ــ "یہ ایسی شے ہے جسکو حواس خمسہ اور عقل نہیں پا سکتی۔ یہ محسوسات ومعقولات سے ماورا ہے، عام انسان غیب تک کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا کلام اور نبی کا ارشاد پہنچا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، ملائکہ، عذاب قبر اور جنت ودوزخ یہ سب

چیزیں غیب ہیں، وحیِ الٰہی اِن چیزوں کے متعلق جو کچھ کہے اس پر بلا شک و ریب اور پورے یقین کے ساتھ ایمان لانا ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔

عالمِ غیب کی سب چیزیں معراج کی رات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ کیں، عالمِ ملکوت کی سیر کی، عجائباتِ قدرت دیکھے اور آپ پر کوئی چیز بھی مخفی نہ رہی۔

جہنّم میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی گئی

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جہنّم میں دیکھا کہ عورتیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ :۔ یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ یُکْثِرْنَ اللَّعْنَ "یہ شوہر کی ناشکر گذار اور لعنت کرنے والی زیادہ ہوتی ہیں"۔ (بخاری شریف)

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آپنے حالتِ نماز میں جنت کو دیکھا۔

تمہید کا خُلاصہ :۔ یہ کہ ہمارا علم محسوسات کے دائرے سے آگے نہیں جا سکتا۔ ہم قبر کا عذاب و ثواب، ملائکہ کا وجود، حشر و نشر کی تفصیلات اور جنت و دوزخ کی حقیقت و کیفیت محض حواسِ خمسہ اور عقل کے ذریعہ کسی طرح معلوم نہیں کر سکتے۔ بس اِن پر اس طرح ایمان لانا چاہئے جس طرح قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اِن امورِ غیبیہ میں عقل کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ عالمِ غیب کی کسی چیز کے متعلق یہ کہنا کہ یہ بات ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی اور یہ بات عقل کے

خلاف ہے۔ یہ باتیں علم وعقل سے دور اور حماقت ہیں۔ یہی تو مادہ پرستی ہے جو کفر و الحاد کی بنیاد ہے۔ یہ علمی رعونت بھی ہے اور زعم ہمہ دانی بھی، اور یہ ابلیسی صفت ہے یہ عقل پرستوں کی کتنی بڑی نادانی وناسمجھی ہے کہ دنیوی امور میں تو خلافِ عقل تمام باتیں مان لیتے ہیں۔ بڑی بڑی حماقتوں کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنے علم وعقل کا منہ چڑاتے ہیں لیکن جب بات دین واخلاق اور آخرت کی ہوتی ہے تو پھر ہر غیبی حقیقت سے انکار کر دیتے ہیں۔

ایک مثال ملاحظہ ہو:۔

اگر ایک قانون دان یعنی بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی وکیل قانون کے متعلق کوئی بات بیان کرے تو میٹرک پاس تو رہا ایک طرف ایک ایم۔ اے بھی اُس کی بات فوراً تسلیم کرے گا۔ اُس میں عقل کی ٹانگ نہیں لڑائے گا اور نہ کوئی بحث اور شک کرے گا۔

اِس مثال سے آپ یہ اصول نکال سکتے ہیں کہ جو شخص کسی علم وفن کا ماہر ہوتا ہے تمام تعلیم یافتہ حضرات اسکی تمام باتوں کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہیں اور عقل کو کھونٹی پر ٹانگ دیتے ہیں۔

مگر یہ کیا ستم ظریفی اور حماقت تابی ہے کہ جہاں ہمارے سید ومولا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا ان کی عقل سے ہٹی ہوئی کوئی بات کہی اور بحث یا انکار پر آمادہ ہوئے۔ حالانکہ ہمارے نبی علومِ اولین وآخرین کے مالک اور عرفان کے

بادشاہ ہیں۔ ساری دنیا کے علماء، حکماء اور مدبر آپ کے علم کے سامنے ایک ذرّہ برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے، دراصل انگریز اپنے علوم و فنون کے ذریعہ پڑھے لکھے مسلمانوں کو عقل کے فریب میں مبتلا کر گیا اور ان کو کفر و الحاد کا راستہ دکھایا گیا ہے اُسی پر یہ حضرت آنکھ بند کر کے چل رہے ہیں۔

سچّا ایمان یہ ہے

ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ اللہ کا رسول جو کچھ بھی کہے اُس پر فوراً کشادہ دلی کے ساتھ ایمان لے آئے عقل کا کان پکڑ کر عالمِ غیب کی ہر بات محض نبی کے کہنے سے مان لے۔ نبی کو نبی مان کر اس کی کسی بات میں شک و تردّد کرنا ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا آغاز یہیں سے ہوا کہ انہوں نے شریعت اور عالمِ غیب کی باتوں کو عقل کی ترازو میں تولنا اور احکامِ شریعت کو اپنے اغراض و مفاد کے مطابق بنانے کا کام شروع کر دیا۔ صدیاں گذر گئیں آج تک اس ذہنی، فکری اور اعتقادی گمراہی کی روک تھام نہ ہو سکی۔

دیکھو سچّا ایمان اس کو کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مقولہ ہے:۔

وَلَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا ط

"یعنی اگر عالمِ غیب کی یہ چیزیں مجھے پردہ اٹھا کر دکھا بھی دی جائیں تب بھی میرے یقین میں کچھ زیادتی نہ ہوگی۔ غیب کی بات پر ایسا ایمان ہے گویا دیکھ لیا"۔

مطلب یہ کہ میں نے محض نبیؐ کے کہنے سے عالمِ غیب کی تمام چیزوں کو اس طرح مان لیا اور یقین کر لیا ہے کہ اگر یہ چیزیں مجھے غیب کا پردہ ہٹا کر دکھا دی جائیں تو میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہو۔

اگر آج عہدِ حاضر کے مسلمان کو اس یقین کی ایک رتّی بھی میسر آجائے تو ان کی بگڑی بن جائے اور وہ اِس بے دِین سیاست، الیکشن بازی اور مغربی جمہوریت کی خاک سے اُٹھ کر افلاک پر جا پہنچیں۔ مگر ہمارے لیڈروں، مذہبی پیشواؤں اور عوام کی ایسی قسمت کہاں کہ اُن کو اِن چکّروں سے نجات ملے۔

بابِ پنجم کے مضامین کی ابتداء

یومِ آخر پر ایمان لانے کا بیان

یہ ایمان کی پانچویں بنیاد ہے یا وہ پانچواں عقیدہ ہے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں بن سکتا اور نہ اخلاقی زندگی میسر آسکتی ہے۔ اگر سچ پوچھو تو اسلام کے تمام اخلاقی نظام کی بنیاد ہی ایمان بیومِ آخر پر رکھی گئی ہے۔ آخرت سے انکار کرنے والا کافر ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے:۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

"جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اچھے عمل کئے

اُن کا اجران کے رب کے پاس ہے، نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

یہاں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالآخرت کو رکھا گیا ہے اور پھر عمل صالح کا ذکر کیا ہے۔ یہ اِس بات کا اشارہ اور ثبوت ہے کہ ایمان بالآخرت کا نتیجہ عملِ صالح کا صدور اور جو ایمان و عمل صالح کے مالک بن جائیں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے صحابہؓ کی طرح اجر ملتا ہے کہ آسمان سے اُن پر رحمتوں کی بارش ہوئی، زمین نے اپنے خزانے اُگل کر اُن کے قدموں میں رکھ دئے اور وہ خیر الامم بن گئے جن کے نقوشِ قدم قیامت تک مسلمانوں کو یہی راہِ فلاح وہدایت بتلاتے رہینگے

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (سورۂ ۴ رکوع ۱۹)

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اُسکے فرشتوں کا اور اُسکی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا، وہ شخص گمراہی میں بڑی دُور چلا گیا"۔

یعنی جس طرح اللہ، ملائکہ، کتابوں اور رسولوں کا منکر ہے اسی طرح یومِ آخرت کا انکار بھی کفر ہے، جو شخص اِس کا انکار کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دُور چلا جاتا ہے۔ دنیا کی محبت اور عیش وعشرت کی کیچڑ میں سر سے پیر تک دھنس جاتا ہے

اب اُس کا فکرِ آخرت اور اصلاحِ اخلاق تک آنا بہت مشکل ہے۔

یومِ آخر پر ایمان لانے کی ضروری تفصیلات

موت کے معنے مٹ جانے اور زندگی بالکل ختم ہو جانے کا نام نہیں۔

یہ کافروں اور مادہ پرستوں کا نقطۂ نظر ہے کہ زندگی بس یہی دُنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد کی زندگی محض وہم ہے۔ پھر زندگی کہاں، زمانہ ہی انسانوں کو مارتا چلاتا ہے۔

مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کے برعکس اسلامی نظریہ یہ ہے کہ موت کے معنے انتقالِ جہانی ہے۔ یعنی مرنے والا اِس مادّی عالم سے نکل کر عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے، زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر یہ مادی زندگی اور ہے اور عالمِ برزخ کی زندگی اور، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِس فرق کو مادّہ پرست نہیں سمجھ سکتے

اسلامی حقیقتِ موت

موت جس چیز کا نام ہے وہ جسم و رُوح کی مفارقت ہے۔ جسم سے رُوح کا نکل جانا جسم عناصر کا مجموعہ ہے، موت اِن عناصر کو منتشر کر دیتی ہے ہر عنصر اپنے عنصر سے جا ملتا ہے۔ مگر مادّہ فنا نہیں ہوتا۔ جسم سے رُوح کو نکالنے کے لئے قدرت نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جس کو ملکُ الموت کہتے ہیں

رُوح قبض کرنا اس کا کام ہے. چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورہ ۳۲ رکوع ۱)

"آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعیّن ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔"

بس یہ ہے موت کی حقیقت جسم سے رُوح کا نکل جانا، جسم و روح کی مجموعی شکل عالمِ مثال میں موجود رہتی ہے جو ایک بہت بڑا اور ادق فلسفہ ہے. عالِم برزخ کی بات یوں سمجھئے کہ ایک مجرم حوالات میں چلا گیا جب تک عدالت میں اُس کا جُرم ثابت نہ ہولے اُس وقت تک وہ حوالات ہی میں رہتا ہے. حوالات کی زندگی میں بھی راحت و تکلیف حسبِ حالات و حیثیت ہوتی ہے. جیسے دنیوی زندگی میں۔

عالِمِ برزخ میں تمام ارواح کو اسلئے رکھا جاتا ہے. بعض اعمال موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے، وہ عمل ختم ہوں تو پھر اُنکی جزا یا سزا ملے. اُن کے ختم ہونے سے پہلے جزا و سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً تعمیرِ مسجد، سرائے یا پُل کی تعمیر، کنواں بنا دینا، یا کوئی دینی مدرسہ کھول دینا، یا لائبریری اور کُتب خانہ قائم کر دینا، محتاج خانے اور شفا خانے کھول دینا اور یا جائداد وقف کر دینا. اس قسم کے کام رفاہِ عامہ کے کام کہلاتے ہیں جن سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے. انہی کو صدقہ جاریہ بھی کہتے ہیں. ان کا فیض جاری رہتا ہے

اور بنانے والا مر جاتا ہے جب تک اِن چیزوں سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے، ان چیزوں کے بنانے والوں کو ثواب ملتا رہتا ہے۔ قرآن پاک کا اعلان ہے:۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ○ (سورہ ۱۸ رکوع ۱۷)

"مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی رونق و زینت ہیں اور جو اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں"۔

اِسی مضمون کی مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا
وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا

"جس نے کوئی اچھا کام جاری کیا اُس کا اجر بھی اُسے ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کرینگے ان کا اجر بھی ملے گا اور جس نے کوئی بُرا کام کیا، اُس کا وبال وعذاب بھی اُس پر ہوگا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کا بوجھ بھی اُس پر ہوگا"۔

یعنی نیک کام اور نیک عمل کرنیوالے کے نامۂ اعمال میں ان کا ثواب درج کیا جاتا رہے گا اور بُرے عمل اور بُرے طریقے جاری کرنے والے گناہ میں شریک رہیں گے۔

ایصالِ ثواب

مذکورہ بالا قرآنی آیت اور اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ مرنے والوں کو عذاب وثواب پہنچتا ہے۔ اچھے بُرے کام کرنے والے مرجاتے ہیں مگر اُن کا عذاب وثواب جاری رہتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے مسئلے پر تمام اُمّت کا اجماع ہے لہٰذا اس بات پر بھی ایمان لانا چاہیئے کہ مُردے کو نیک کاموں کا ثواب ملتا ہے۔ دُعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔ فاتحہ دلانا مسکینوں کو کھانا کھلانے، کپڑا دینے اور کچھ پڑھ کر بخشنے سے جس کی رُوح کو اس کا ثواب پہنچایا جائے وہ پہنچتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

مُردے آپس میں مِلتے جُلتے ہیں

عالمِ برزخ میں مُردے آپس میں ملتے جُلتے رہتے ہیں۔ ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے:۔

اَحْسِنُوْا اَکْفَانَ مَوْتَاکُمْ فَاِنَّھُمْ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْ قُبُوْرِھِمْ

"یعنی اپنے مُردوں کا اچھی طرح کفن دو۔ کیونکہ وہ اپنی قبروں میں ایک دوسرے سے ملتے جُلتے رہتے ہیں۔"

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنے والے مُردے قبرستان والے مردے سے سوال کرتے ہیں

کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میرے ماں باپ اچھی طرح ہیں؟ میری بیوی بچوں کا کیا حال ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ مجھ سے پہلے مر چکے ہیں تو روحیں حیران ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کیا وہ ہاویہ جہنم میں گئے۔

ارواح کے دو مقام ہیں:۔ ایک اعلیٰ علیین۔ اس مقام میں نیک اور جنتی لوگوں کی ارواح رہتی ہیں اور دوسرا مقام اسفل السافلین ہے۔ یہ گنہگاروں اور جہنمیوں کا مقام ہے۔ یہاں خبیث و شریر روحیں رہتی ہیں۔

جیسی روحیں ویسا مقام۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ یعنی عذاب کے فرشتے یا ثواب کے فرشتے نیکوں کے ساتھ اچھی صورت کے فرشتے اور بدوں کے ساتھ عذاب کے فرشتے۔ جیسا حال دنیا میں ہے ویسا ہی حال عالمِ برزخ میں ہوگا۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

مُردے قبرستان میں آنیوالوں کو پہچانتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں انکے سلام کا جواب دیتے ہیں

جب زندے قبرستان میں آئیں تو کہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ اِنَّکُمْ اَسْلَفْتُمْ وَاِنَّا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ط (ترجمہ:۔ اے قبروں والوں تم پر سلامتی ہو، تم ہم سے پہلے ملکِ عدم کو چلے گئے اور ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔

مُردے ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پھر جو کچھ پڑھ کر ان کو ثواب پہنچایا جائے، وہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔

مُردوں کیلئے دُعائے مغفرت

زندوں پر مُردوں کا حق یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کے لئے دعاءِ مغفرت کیا کریں اور کچھ پڑھ کر ثواب پہنچایا کریں۔ اِس بارے میں قرآن نے جو دعا سکھائی ہے وہ یہ ہے:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ط

"اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما اور ہمارے اُن مسلمان بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔"

قبر کیا ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر یا تو جنّت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھے میں سے ایک گڑھا ہے۔ مطلب یہ کہ مُردہ اگر ایمان و عمل صالح کا مالک تھا اور دنیا سے توشۂ آخرت ساتھ لایا ہے تو بس قبر سے ہی اس کی جنّتی زندگی کا آغاز ہو گیا اور اگر مرنے والا خدا کا نافرمان اور گنہگار ہے اور دُنیا سے کوئی نیک کمائی کر کے نہیں آیا تو وہ جہنّمی ہے اور قبر سے اس کی جہنمی زندگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ہمیں حکم ہے کہ ہم خاص کر جمعہ کے دن قبرستان میں جایا کریں، اپنی موت کو

یاد رکھا کریں۔ فکرِ آخرت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ مذکورۂ بالا تمام باتوں کو یاد رکھیں اور آخرت کی تیاری کرتے رہیں، ان سب باتوں پر ایمان لائیں۔

قبر میں مُنکر نکیر کے سوال و جواب

جب لواحقین اور دوست واحباب مُردے کو دفن کر کے چلے آتے ہیں تو قبر میں ۲ دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں اور مُردے سے تین سوال کرتے ہیں:۔

(۱) "مَنْ رَّبُّكَ"۔ تیرا رب کون ہے؟

مُردہ اگر مومن و صالح ہے تو جواب دیتا ہے:۔ رَبِّیَ اللّٰهُ میرا رب اللہ ہے اس لئے کہ اس نے زندگی میں اپنے خالق اور اپنے رب کو جانا، مانا اور اُسکی اطاعت و بندگی کا حق ادا کیا تھا اسلئے وہ صحیح جواب دے دیگا اور جنّتی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

اور اگر مُردہ نے زندگی میں اپنے خالق اور اپنے رب کو جانا پہچانا ہی نہ تھا نہ اسکی بندگی اختیار کی تھی وہ سوال کا جواب دینے سے رہ جاتے گا، اس پر فرشتے کا زبردست لوہے کا گرز پڑے گا اور عذابِ قبر سے جہنّمی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا سوال ہوگا:۔ "مَا دِيْنُكَ" تیرا دین کیا ہے؟

صالح مومن و مسلم جواب دے گا: "دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ" "میرا دین اسلام ہے۔

اس نے دنیا میں اسلام اور دین کی حقیقت کو سمجھا تھا اور دینی زندگی اختیار کی تھی اسلئے وہ صحیح جواب دے دیگا اور فرشتوں سے سُرخ رُو ہوگا مگر جن مسلمانوں نے اسلام اور دین کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور اسلامی زندگی اختیار نہیں کی وہ جواب دینے سے رہ جائیں گے اور عذابِ قبر کا مزہ چکھیں گے۔

(۳) تیسرا سوال ہوتا ہے: مَا تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ اس مقدس و مطہر شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ صالح مومن و مسلم جواب دے گا۔ یہ ہمارے پیارے رسول علیہ السّلام ہیں میں نے ان کی محبت و اطاعت میں زندگی بسر کی ہے۔ اور فسّاق فجّار صحیح جواب نہ دے سکیں گے اور جہنم کے سزاوار بن جائیں گے۔

یہ تینوں سوال و جواب بڑے اہم اور اسلامی زندگی کی جان ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اب زندگی میں ان کو سمجھے اور اِن کے مطابق زندگی بسر کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو قبر میں جا کر پچھتانا پڑے۔ مگر اُس وقت کا پچھتانا بیکار ہوگا۔

"اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت"

خُلاصۂ مَا فِی الباب

ایمان بالآخرت کے متعلق تمام باتیں اور اُن کی ضروری تفصیلات بقدرِ ضرورت بیان کردی گئی ہیں اُن سب پر پختہ ایمان یعنی یقین کرنا چاہیئے۔ کسی

بات کی کوئی نئی تاویل وتعبیر یا تفصیل وتوجیہ نہ کرنی چاہئے ورنہ اِس ایمان کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ بس قرآن وحدیث نے جو کچھ بتلا دیا ہے اسی پر ایمان رکھنا چاہئے! اپنے دماغ سے کوئی بات نہیں گھڑنی چاہئے۔

یہ تمام باتیں معقولات ومحسوسات کے دائرے سے باہر کی ہیں۔ اِن کو عقل کے معیار پر پرکھنا اور محسوسات کی میزان میں تولنا اپنی جہالت وحماقت کا ثبوت دینا اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچّے ایمان بالآخرت کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اسلامی زندگی بسر کرنے کا جذبہ بخشے۔ آمین

ایک بڑا عجیب اور عبرتناک واقعہ

ھے کوئی عبرت ونصیحت حاصِل کرنے والا دانشمند!

دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک جھونپڑی میں ایک فقیر رہتا تھا، دِن بھر دہلی کے گلی کوچوں اور بازاروں میں بِھیک مانگتا اور شام کو اپنی جھونپڑی میں آکر رات گذارتا، جو پیسے دن بھر میں جمع ہوتے اُن کے روپے بندھوا لیتا، جب روپے زیادہ ہوجاتے تو ان کی اشرفیاں لے آتا اور ان کو اپنی گدڑی میں سی لیا کرتا۔

ایک شخص کو اس کی یہ روش معلوم ہوگئی۔ اس نے اشرفیاں دیکھ لیں اور

مُنہ میں پانی بھر آیا، اب اُس نے یہ اشرفیاں ہتھیانے کے لئے اُس فقیر سے دوستانہ گانٹھا، اسکے پاس آنے جانے اور اٹھنے بیٹھنے لگا لیکن فقیر بھی بڑا چالاک و ہشیار تھا، اپنی گدڑی اپنے بدن سے کبھی جُدا نہ کرتا تھا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ وہ فقیر بیمار ہو گیا۔ بیماری نے اتنا طول پکڑا کہ فقیر زندگی سے مایوس ہو گیا۔ جب فقیر نے اپنی موت کے آثار دیکھے تو اپنے اس دوست سے کہا "میرا آخری وقت ہے اور حلوہ کھانے کو میرا جی چاہ رہا ہے۔" دوست نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے، بازار گیا اور حلوہ لے آیا۔ فقیر نے اُسے کسی اور کام کے لئے بھیج دیا اور اب اس نے گدڑی سے اشرفیاں نکال کر اور حلوے میں لپیٹ کر حلق سے اُتار لیں اور تھوڑی دیر کے بعد مر گیا۔

دوست آیا تو فقیر کو مرا پایا۔ بڑا خوش ہوا کہ اب میری مراد پوری ہو گی بڑی خوشی خوشی گدڑی کو کھولا تو اس میں ایک اشرفی بھی نہ پائی۔ سمجھ گیا کہ یہ حلوے میں لپیٹ کر انہیں کھا گیا۔ اب یہ تدبیر سوچنے لگا کہ یہ اشرفیاں اس کے پیٹ سے کس طرح نکالوں۔ بہت سوچنے کے بعد یہ تدبیر سمجھ میں آئی کہ اس کو غسل دے کر قبر میں اُتار دُوں، اسکے بعد رات کو آکر، قبر کھود کر اور اس کا پیٹ پھاڑ کر اشرفیاں حاصل کر لوں۔ اس کو باقاعدہ دفن کر دیا۔

اپنے اس منصوبے کے مطابق رات کو قبر کھودی تو دیکھا کہ اس کے پیٹ میں آگ جل رہی ہے، اُسے انگلی لگائی تو وہ جل گئی۔ وہ تاب نہ لا سکا

اور وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ عمر بھر اسی سوزش و جلن میں مبتلا رہا اور انسانوں کے لئے نمونۂ عبرت بن گیا۔ ہر وقت انگلی کی سوزش و جلن سے پریشان رہتا تھا۔ دونوں لالچی اور دولت کے پجاری تھے، دونوں کو اِس دُنیا میں خوب سزا ملی۔

مجھ سے یہ قصّہ میرے ایک دوست فخر الدین آہنگر نے بیان کیا اور مَیں یہ قصّہ اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے عبرت و نصیحت حاصِل کرنے کے لئے پیش کر رہا ہوں۔

وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق

بابِ ششم

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

یہ باب دو فصلوں پر منقسم ہے

تمہید

کیونکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں رضا اور تسلیم کے اعتبار سے اس زمانہ میں دو گروہ ہو گئے ہیں ——— ایک جماعت وہ ہے جو حکمِ خدا اور رسول سن کر سرِ تسلیم خم کرتی ہے۔ ان کا شعار رضا و تسلیم ہے اور ایک جماعت ایسی ہے کہ ہر حکم میں حجت کرتی ہے۔ خاص طور پر مسئلۂ تقدیر میں بہت بحثیں کھڑی کرتی ہے، لاعلمی اور بدشعوری کی وجہ سے قرآن و حدیث پر اعتراض کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں چوری لکھ دی تو ہم بچ نہیں سکتے پھر ہم کو مجرم بنایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

پہلی فصل میں ان حضرات کا بیان ہے جو بلا حجت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے احکام کو حصول رضا مولا تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری فصل میں انشاء اللہ مسئلہ تقدیر کو عقلاً ثابت کر دیا جائے گا اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ تقدیر عقل کے خلاف نہیں ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے

جو تقدیر کو تسلیم نہ کرے خارج از اسلام ہے۔

سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مقربین جو رضا اور تسلیم میں مستغرق ہیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ط یعنی جناب کی امت کے پہلے حصہ میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہو گی اور پچھلے حصہ میں قلیل ہوں گے۔

۳۰۰ھ تک ایسے حضرات بہت زیادہ تھے جو حکمِ خدا اور ارشادِ نبی کو سنتے یا خود کسی بھی کتاب میں پڑھتے فوراً بلا حجت مان لیا کرتے تھے۔ ۳۰۰ھ کے بعد باطلاعِ کلام اللہ اس قسم کے لوگ کم ہو گئے۔ نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ سے جس قدر بُعد ہوتا جاتا ہے ایمان ضعیف ہوتا جاتا ہے۔ یورپ سے کوئی خبر آجائے بلا حجت تسلیم ہے۔ چاند پر جانے کی خبریں بلا حجت تسلیم ہیں ہاں اگر کوئی آیت سنا دی جائے تو کہتے ہیں جب تک عقل میں نہ آئے ہم تسلیم نہیں کرینگے اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے، وہ خوب جانتا ہے اسی واسطے قرآن شریف میں کوئی بات عقل کے خلاف بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ بار بار فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ، تَتَفَكَّرُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (سورہ ۴ رکوع ۶)

"ہم نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا"

اس کی دو علتیں بیان کیں (۱) بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ "ہم نے

حاکم بنایا ہم جس کو چاہیں حاکم بنائیں جس کو چاہیں محکوم بنائیں" یہ وجہ اس جماعت کے واسطے ہے جو رضا اور تسلیم میں مستغرق ہے۔

اور جو لوگ حجتی ہیں آگے ان کے واسطے فرمایا:۔ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ یعنی ہم نے مرد کو حاکم بنایا کہ وہ عورت کے تمام خرچہ کا ذمہ دار ہے۔ خوراک اور لباس و مکان و دیگر ضروری اخراجات چونکہ مرد کے ذمّہ ہیں اسواسطے اسکو حاکم بنایا۔

پہلی فصل مسئلہ تقدیر کے بیان میں

تقدیر کے معنیٰ اندازہ لگانے کے ہیں

شرع شریف میں تقدیر کے یہ معنٰی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم پیدا کرنے سے قبل عالم کی ہر چیز کا اندازہ لگایا اسی اندازہ پر اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ بے مثل ہے جیسے اس کا فرمان ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی مثل کوئی چیز نہیں مثلاً اس کا علم ایسا ہے اس کی مثال نہیں، اس کی سماعت ایسی ہے اسکی مثل کوئی سماعت نہیں وغیرہ وغیرہ... جب یہ سمجھ گئے۔

تو صرف سمجھانے کی غرض سے عرض کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے عالم پیدا کرنے سے قبل اندازہ لگایا اس کی مثال ایسی ہے تم مکان بناؤ تو اندازہ لگاؤ گے کتنے کمرے ہوں اور کیا کیا بنایا جائے گا، پہلے نقشہ بنا کر پھر اس کو زمین پر تعمیری شکل

میں لایا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے: اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (سورہ ۵۴ رکوع ۳) "ہم نے ہر چیز اندازہ سے پیدا کی ہے۔ اس مضمون میں وسعت پیدا کرو تو معلوم ہوگا کہ ریت کے ذرّات سے لیکر آسمان کے تارے درخت کے پتوں سے لیکر دریا کی مچھلیاں اور پہاڑ پتھر، انسان، حیوان اور انکے اقسام سب کا اندازہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے سے پہلے کر لیا تھا اور آگے چلیں اللہ تعالیٰ افعالِ انسانی کا بھی خالق ہے کیونکہ ارشاد ہے:۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کو پیدا کیا) اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کا اندازہ لگا لیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے:۔

جس طرح ہم مکان کے نقشے سے معلوم کرتے ہیں۔ ہمارے علم میں یہ بات آجاتی ہے کہ ایسا ایسا مکان تیار ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم پیدا کرنے سے قبل سب کا اندازہ لگا کر لکھ لیا اور فرمایا:۔

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔ (سورہ ۵۷ رکوع ۳)

"جو مصیبتیں تم پر آتی ہیں خواہ وہ ارضی ہوں یعنی قحط وغیرہ یا نفسانی ہوں یعنی امراض بیماریاں وغیرہ یہ سب کچھ لکھی جا چکی ہیں اسکے مطابق آتی ہیں۔"

حدیث شریف میں ہے جب عورت کے پیٹ میں حمل چار ماہ کا ہوتا ہے

تو فرشتہ تقدیر روح لیکر آتا ہے۔ وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے چار باتیں لکھ دے:۔ ۱ جو کچھ یہ کرے گا لکھ دے ۲ اس کی عمر لکھ دے ۳ اس کا رزق لکھ دے ۴ اس کو جنتی یا دوزخی لکھدے

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال اور عمر رزق وغیرہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے اور ویسا ہی ہوتا ہے۔ نبیٔ کریم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر ایمان لاؤ اور قرآن شریف کی آیات میں یہ مضمون آگیا۔ اگر اس پر ایمان نہ لائے تو آیات کا انکار اور حدیث کا انکار لازم آتا ہے۔

حدیث شریف ترمذی میں ہے کہ تقدیر میں بحث نہ کرو۔ رضا اور تسلیم والی جماعت اس پر ایمان لاتی ہے اور یہ کہتی ہے رحمٰن ورحیم سے یہ امید نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کرے چوری لکھ دے اور پھر چور کو پکڑ کر سزا دے۔ فرمایا: وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (سورہ ۵۰ رکوع ۲) کلمہ ظلام فاعل نسبتی ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو ظلم سے کسی قسم کی نسبت نہیں وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

یہ راستہ عشق محبت کا راستہ ہے اور اسلم راستہ ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ (سورہ ۲ رکوع ۱) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے رب نے کہا اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سر جھکا دو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے میں نے سر جھکا دیا۔

نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر فرمایا اَسلِمْ تَسلَمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکا دے تو ہر نقصان اور برائی سے سلامتی حاصل کرے گا عقل میں آئے نہ آئے ؎

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

جو جماعت حصول رضا مولا کی طالب ہے اس کی یہی شان ہے۔

فصلِ دُوُم

تقدیر کے بیان میں

بعض حضرات ضعیف الایمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور پیارے نبیؐ کے ارشادات پر اعتراضات کرتے ہیں۔ خصوصاً آج کل مسئلہ تقدیر پر بے پناہ اعتراض کر کے اپنے ایمان کو برباد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں نماز نہیں لکھی تو کس طرح پڑھیں۔

یہ لوگ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم سے کہا جاتا ہے نماز پڑھو اور ہماری تقدیر میں لکھا نہیں۔ زید کی تقدیر میں چوری لکھ دی اور قرآن حکیم میں حکم دے دیا چور کا ہاتھ کاٹو۔ اُدھر حکم ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا یعنی زِنا

کے قریب نہ جاؤ۔ اِدھر تقدیر میں لکھ دیا کہ یہ زنا کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس پر بے انصافی اور ظلم کا داغ لگانا ہے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (سورۃ ق) مجھ کو ظلم سے کوئی نسبت نہیں (ظلّام نسبتی صیغہ ہے) سنو پھر سنو، پڑھو پھر پڑھو فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (سورہ ۶ رکوع ۱۸) اللہ تعالیٰ کے پاس بڑی بڑی پوری پوری حجتیں اور دلائل موجود ہیں۔ اعتراض کرنے والے عقل وشعور سے کام لیں تو مسئلہ تقدیر اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے تقدیر میں جھگڑا نہ کرو۔ ہم جھگڑے سے بچکر بطور تبلیغ ضعیف الایمان لوگوں کو کفر و الحاد سے بچانے کی غرض سے انشاء اللہ مسئلہ تقدیر اس طرح بیان کرینگے کہ ہر شخص کی عقل میں آجائے گا اور کسی قسم کی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

اَقُوْلُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

اللہ تعالیٰ قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْئًا ہمیشہ سے اللہ ہی ہے اور اسکے ساتھ کچھ نہیں تھا جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے اسکی تمام صفات بھی قدیم ہیں۔ علیم، قدیر، خالق، بصیر وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم ہے، قدیر ہے، خالق اور بصیر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم ہے، عالم پیدا کرنے سے پہلے اس کو اپنے علمِ قدیم سے معلوم

تھا کہ عالم ایسا پیدا ہوگا۔ انسانوں کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے اور جنّات کی ابتدا جآن سے ہوگی۔

انسانوں کی تعداد ان کے تمام افعال اور اعمال کی تعداد اوقات سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ زید کی ولادت اور موت کا وقت اس کو معلوم تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ط (سورہ ۶ رکوع ۱۳)

" برو بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے، درخت سے کوئی پتّہ گرنے نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے، زمین کے اندھیروں میں کوئی ذرّہ ہو اسکو جانتا ہے، کوئی تر اور خشک چیز اسکے علم سے پوشیدہ نہیں۔ اور یہ سب لوح محفوظ میں درج کردی گئی ہے۔"

ترجمۂ آیت کا خلاصہ یہ ہے:۔

" تمام زمین کے ذرّات کو جانتا ہے سب کا خالق سب پر قادر ہے تمام دریا اور نہریں سمندر کے قطرات جانتا ہے اور دریا و سمندری مخلوق کو جانتا ہے سب کا خالق ہے سب پر قادر ہے۔

دیکھو درختوں کی تعداد اور انکے پتّوں کی تعداد اور ان کی فنا اور بقا کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور تر اور خشک کا اس کو علم ہے۔ یہ علم پیدا ہونے

سے پہلے تھا اور اب ہے اور رہیگا۔ اپنے علم عالی کے مطابق اُس نے سب کچھ لکھ دیا فِی کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کے یہی معنیٰ ہیں اس کو لوح محفوظ کہتے ہیں۔

جو کچھ عالَم میں ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿سورۂ ۷۶ رکوع ۱﴾ ہم نے انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا، اچھے بُرے کو دیکھے۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿ ہم نے اس کو نبی اور کتاب کے ذریعہ ہدایت کر دی اب یہ اپنے اختیار سے خواہ اچھا کرے یا بُرا کرے۔

ہدایت الٰہیہ کے بعد اپنے اختیار سے اچھائی اور برائی کرتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ مضمون چند آیات میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ عقل شعور سے کام لے اچھے کام کرے بُرے سے بچے۔

آمدم بر سرِ مطلب اللہ تعالیٰ کو عالم پیدا کرنے سے پہلے ہر انسان کے حالات معلوم تھے کہ انسان اپنے اختیار سے فلاں فلاں کام کرے گا۔ انسان چوری کریگا انسان ڈکیتی کرے گا، انسان نمازیں ادا کرے گا، بداخلاقی یا خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرے گا۔ سب کچھ اس کو معلوم تھا۔ اپنے علم کے مطابق اللہ تعالےٰ نے سب کچھ لکھ لیا۔ اس کا نام تقدیر ہے۔ یہ معنی لینا اس نے چور لکھ دیا اب وہ چوری ہی کر کے رہیگا یہ غلط ہے۔ ہاں فلاں شخص اپنے اختیار سے تمام عمر عبادت میں گذار دیگا۔ وہ لکھ دینا تقدیر علمِ الٰہی کا نام ہے وہ علم غلط ہو نہیں سکتا۔

غور فرمائیے عقل و شعور سے کام لیجئے۔ عورت کے پیٹ میں جب حمل ۴ ماہ کا ہوتا ہے فرشتہ رُوح لے کر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جہنمی لکھ دے یا سعید لکھ دے۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے عِلم سے جانتا ہے زید شقاوت کے کام کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لکھوانے سے سعید یا شقی نہیں ہوتا، سعید اور شقی اپنے افعالِ اختیاریہ سے ہوتا ہے۔ اس کو لکھوا دیا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو شقی بناتا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین علیہم السلام کیوں ارسال کرتا۔ فرماتا ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

تم خود اپنے افعال و اعمال سے سعید و شقی بنتے ہو، اِس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ یہ عِلمِ ازلی ہے غلط نہیں ہوتا۔ تقدیر کی وضاحت کے واسطے ایک قصّہ نقل کیا جاتا ہے۔

سلطان ٹیپو مرحوم جو آخر دم تک انگریز سے جہاد کرتا رہا۔ اس کی عادت تھی بعد نماز فجر لباس تبدیل کر کے ہَوا خوری کے واسطے تین چار میل روزانہ پیدل پھرتا تھا۔ لکھا ہے ایک کھیت کے قریب سے گذر رہا تھا دیکھتا کیا ہے ایک بوڑھا فقیر بیٹھا ہے اور لوگوں نے اس کو گھیر رکھا ہے کوئی دعا کی درخواست کرتا ہے کہ آپ دعا کریں میرا کام چل جائے، کوئی کہتا ہے دعا کریں میرے لڑکے کی شادی ہو جائے۔

سُلطان مرحوم یہ باتیں سُن رہے تھے کہ ایک بوڑھے شخص نے کہا آپ دُعا کریں اللہ تعالیٰ مجھ کو پوتا عطا فرمائے۔ فقیر نے جواب دیا تیری تقدیر میں پوتا نہیں ہے یعنی میں نے تقدیر میں دیکھا کہ تیرے بیٹے کے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔

بادشاہ واپس اپنے مقام پر آگئے۔ دربار کا دن تھا، وزرا مصاحب موجود تھے، بادشاہ نے کوتوال سے کہا کہ اس فقیر کو بلا لاؤ۔ کوتوال نے فقیر سے کہا تمکو بادشاہ بلاتا ہے۔ فقیر نے کہا بادشاہ میں ہُوں تم غلط کہتے ہو۔ کوتوال نے کہا آپ بادشاہ سہی لیکن چلیئے۔ فقیر صرف ایک نیچا کُرتا پہنے ہوئے تھا، سر ننگا پیر ننگے۔ ایسے وقت دربار میں پہنچا تمام کرسیاں وزراسے بھر چکی تھیں صرف بادشاہ کی کرسی بیچ میں خالی تھی اور سونے کی تھی اور سب سے اونچی تھی۔ فقیر اُچک کر بادشاہ کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تمام وزرا وغیرہ درباری لوگ فقیر کی ہیئت اور شاہ کی کرسی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ آگئے۔ فقیر کرسی سے نہیں ہٹا۔ آخر گفتگو شروع ہوگئی۔ شاہ نے کہا تم تقدیر دیکھتے ہو؟ فقیر نے جواب دیا ہاں۔

دربار میں ایک پنجرہ لٹک رہا تھا جس میں طوطا تھا۔ شاہ نے بائیں ہاتھ سے طوطے کو پکڑ لیا اور سیدھے ہاتھ میں خنجر لے کر کہا بتا طوطے کی تقدیر میں کیا ہے؟ بادشاہ کا مطلب فقیر کو جھوٹا کرنا تھا۔ اگر فقیر کہے طوطے کی موت ہے تو شاہ طوطے کو چھوڑ دے گا۔ فقیر اگر کہے کہ طوطا اُڑ جائے گا تو بادشاہ طوطے کو مار کر

فقیر کو قائل کر دے گا۔

فقیر نے طوطے کی تقدیر زبانی نہیں بتائی بلکہ کہا کاغذ لاؤ میں طوطے کی تقدیر لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ کاغذ پر ایک سطر لکھ کر الٹا کر دیا۔ فقیر نے کہا طوطے کی تقدیر میں نے اس پرچہ میں لکھ دی ہے اب تم جو چاہو کرو۔ اس میں وہی لکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا علم غلط نہیں ہو سکتا۔

بادشاہ کو غصّہ آگیا سیدھے ہاتھ سے خنجر طوطے کے مارا غصّہ کی وجہ سے خنجر بائیں ہاتھ کی کلائی پر لگا، کلائی کا گوشت چِر گیا، طوطا چھٹ گیا اور اُڑ گیا۔ سارا دربار شاہ کی کلائی زخمی ہونے سے بیچین ہو گیا۔ جلد از جلد مرہم پٹّی کر دی گئی شاہ فقیر کی طرف متوجہ ہوا اور فقیر سے کہا دیکھو تقدیر میں تم نے کیا لکھا ہے فقیر نے کہا آپ خود پڑھیں کہ یہ لکھا ہوا ہے "شاہ کی کلائی چِر جائے گی اور طوطا اُڑ جائے گا۔"

سمجھ گئے کہ تقدیر علم خداوندی ہے۔ کوئی شخص تقدیر کی وجہ سے مجبور نہیں کیا گیا۔ فقیر چلنے لگا تو بادشاہ نے کہا میں انگریز سے جنگ کر رہا ہوں، اس کا کیا انجام ہوگا؟ فقیر نے کہا تیرے غالیچہ پر اس کا انجام درج ہے۔ دربار میں غالیچہ بچھا ہوا تھا، اس میں ایک بڑے شیر کی تصویر تھی اور سامنے درخت کے پیچھے ایک شخص آڑ میں بندوق لئے کھڑا تھا۔ فقیر نے بتا دیا کہ تو شیر ہے تجھ کو دھوکہ سے ماریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بابُ ہفتمُ

مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا بیان

یہ بھی اُن عقائد میں سے ہے جس پر ایمان لانا لازمی ہے۔ قرآن وحدیث سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے۔ مرنے کے بعد جی اٹھنا اور زندگی کا حساب دینا برحق ہے۔ اسی پر تمام روحانی واخلاقی زندگی کا انحصار ہے۔ لہٰذا عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اِسی جسدِ عنصری کے ساتھ زندگی ملے گی، اور پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا۔

اہلِ تفسیر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس حقیقت کو قرآن پاک کے ۵۲ مقامات پر کہیں تفصیل اور کہیں بالاجمال پیش کیا ہے اور اس پر بڑے زور دار دلائل وبراہین دئے ہیں۔ قرآن میں جگہ بجگہ دوبارہ زندگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا لازمی ہے۔ جو شخص انکار کرے وہ کافر ہے۔ اور ابدی جہنم کا سزاوار۔

عالَمِ حشرُ

عالمِ حشر کی ابتدا صورِ ثانی سے شروع ہوگی۔ پہلی مرتبہ صُور پھونکنے سے پوری جاندار مخلوق پر موت طاری ہوجائے گی اور نظامِ عالم درہم وبرہم ہوجائیگا

ارواح واجسام دونوں کا حشر ہوگا

اسلام کا ساتواں صحیح عقیدہ یہ ہے کہ عالمِ حشر اور ارواح واجسام دونوں کے ساتھ برپا ہوگا۔ اِس پر قرآن وحدیث اور عقلِ سلیم کے بہت سے دلائل و براہین موجود ہیں اور موجودہ سائنٹفک دور میں اس کا ثابت کرنا بہت آسان ہوگیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ پھر بھی بعض مغرب زدہ مسلمان کہتے ہیں کہ حشر صرف ارواح کا ہوگا۔ یہ قرآن وحدیث اور عقلِ سلیم تینوں کا کارنامہ ہے اسلئے یہ کفر ہے۔ اس کفریہ عقیدے سے ہر مسلمان کو توبہ کرنی چاہئے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ارواح واجسام دونوں کا حشر ہوگا۔

بڑی چھوٹی اور بیوقوف ہے وہ عقل جس کی سمجھ میں یہ عقیدہ نہیں آتا۔ نہ آئے حقیقت تو بہرحال حقیقت ہی رہتی ہے۔ درحقیقت یہ عقل کافر کی ہوتی ہے چنانچہ ایک کافر قبرستان سے کسی مُردے کی گلی سڑی ہڈی اٹھا لایا اور اُسے لے کر آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (سورۂ یٰسین)

"یہ گلی سڑی ہڈی کون زندہ کرسکتا ہے؟ جبکہ یہ مٹی ہوچکی ہے"

وحیٔ الٰہی جواب میں نازل ہوئی:۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ج (سورۂ یٰسین)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝

(سورہ ۳۹ رکوع ۷)

" پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتہً وہ (سب کے سب) کھڑے ہو جائیں گے"

دوسرے مقام پر فرمایا:۔

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ط

(سورہ ۵۴ رکوع ۱)

" اور وہ قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی دل پھیل جاتا ہے"۔

اِن دونوں آیتوں میں دوبارہ زندگی کا نقشہ کھینچا ہے اور قرآن نے صاف طور پر بتلا دیا کہ یہ عالمِ حشر دوبارہ صُور پھونکنے پر برپا ہوگا اور مُردے انہی اجسام کے ساتھ اٹھیں گے جو دنیا میں ہیں یعنی ارواح و اجسام دونوں ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات کوئی مشکل نہیں اور نہ خلافِ عقل ہے کہ مرنے کے بعد اس جسم کے اجزاء اگرچہ منتشر ہو جائیں ان کو دوبارہ یہی ترکیبی صورت دے دینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

"آپ جواب دے دیجئے کہ اس کو وہ زندہ کرے گا جس نے اوّل بار اس کو پیدا کیا"۔

جو کاریگر ایک بار ایک چیز بناتا ہے وہ اُسے نہ صرف دوبارہ بلکہ سینکڑوں بار بنا سکتا ہے، یہ کونسے اچنبھے کی بات ہے۔ اتنی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

کیا کسی مُسلمان کی عقل ایک کافِر کی عقل سے بھی گئی گذری ہو سکتی ہے؟

اگر کسی کافر کی عقل میں یہ بات نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اُسکی عقل پر مادّہ پرستی کے پردے پڑے ہوتے ہیں مگر ایک مسلمان کی عقل ہرگز ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی کہ اجسام کا حشر اُس کی سمجھ میں بھی نہ آئے اور وہ کہے کہ حشر تو صِرف ارواح کا ہو گا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ انگریز اپنی تعلیم و تہذیب سے اپنے شاگردانِ رشید کی عقلیں مسخ کر گیا ہے۔

بعض مُشرک اور کافر یہ تو مانتے ہیں کہ حشر ارواح کا ہو گا مگر اجسام انکی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے وہ اِس کا انکار کرتے ہیں۔ مگر کوئی موٹی عقل رکھنے والا مسلمان حشرِ اجسام کا انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کرے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

ایسے لوگوں کے لئے قرآنِ حکیم نے بڑے بڑے دلائل و شواہد پیش کئے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حشرِ جسم کا مُشاہدہ مرنے کے بعد دوبارہ اِسی جسم کے ساتھ

جی اُٹھنے کا عقیدہ اتنا ضروری اور اہم ہے کہ اللہ پاک نے اپنے دو پیغمبروں کو اسکا مشاہدہ بھی کرا دیا اور دکھادیا کہ وہ اس طرح دوبارہ زندہ کرے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۚ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ (سورۃ ۲ رکوع ۳۵)

"اور اُس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کرینگے؟ کیا تم کو اس بات پر یقین نہیں۔

عرض کیا یقین کیوں نہیں یقین تو ضرور ہے لیکن میں یہ درخواست تو اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ میرے قلب کو (مزید) یقین و اطمینان حاصل ہو جائے۔ زندہ ہونے کی کیفیت دیکھ لوں۔"

باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو چار پرندے لے آؤ، ان کو ذبح کر کے، اُن کی گردنیں اپنے پاس رکھو اور اُنکے اجسام کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور اُن کے ہر جزو کو الگ الگ پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان سب کو بلاؤ۔ دیکھو تمہارے پاس سب دوڑے چلے آئیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا کہ ان چاروں پرندوں کے جسم منتشر اجزا فوراً جمع ہو گئے اور گردنوں سے لگ گئے۔

وہ زندہ ہو کر اُڑ گئے۔ قیامت تک کے لئے اہلِ ایمان کے قلبی اطمینان کے لئے یہ واقعہ باقی رہ گیا جو انسانوں کو درس ایمان و یقین دیتا رہیگا۔ خدائے قدوس جلّ مجدہٗ نے فرمایا:۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورہ ۲ رکوع ۳۳)

"اے ابراہیم! آپ اور دُنیا کے تمام انسان اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔"

وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اُسکے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، وہ اپنی وحی کے ذریعہ جس چیز پر ایمان لانے کا مطالبہ کرے تو بلا چُون و چرا ایمان لے آئے اور جو حکم دے اس کی بخوشی تعمیل کرے۔

سب سے پہلے کس کا حشر ہوگا؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے پہلے ہمارے نبی، ہمارے سید و مولیٰ جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک سے بصد شانِ عبدیت و محبوبیت اٹھیں گے۔ پھر مؤمنین اور کفّار سب ہی کا حشر ہوگا۔

کُفّار کیا کہتے ہُوئے اُٹھیں گے؟

قرآن نے کئی مقامات پر کہا ہے کہ مؤمن دنیا میں بھی بے خوف زندگی کے

مالک ہوتے ہیں اور حشر کے دن بھی بے خوف ہوں گے۔ اپنی قبروں سے اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے نکلیں گے۔ اِن کے برخلاف کفّار، مشرکین اور مُلحدین یہ کہتے ہوئے اُٹھیں گے:۔

یَا وَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ط (سورۂ یٰسین)

"ہائے افسوس ہمیں کِس نے ہمارے مرقدوں سے اٹھادیا"۔

کاش اب ہمیں ابدی جہنم کی سزا نہ ملتی۔ بغیر سزا کے چھوٹ جاتے اور اس ذلّت و رُسوائی سے بچ جاتے جس کا ہمیں سامنا کرنا ہے۔

پھر کہیں گے:۔

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○

"یہ وہی دن اور عذاب کا سامنا ہے جس کا ہم سے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا، اور تمام انبیاء و مرسلین جس کی تصدیق کرتے رہے"۔

جس سے ہمیں تمام انبیاء علیہم السّلام، اولیاءِ عظام اور علمائے حق ڈراتے رہے اور اصلاحِ اعمال کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ مگر ہم اِس کو جھٹلاتے اور اِس کان سے سُن کر اُس کان اڑاتے رہے۔

زندہ ہونے کے بعد کیا ہوگا؟

قبروں سے اُٹھنے کے بعد فرشتے سب کے ہاتھوں میں اُن کے نامۂ اعمال دیدیں گے

جن کو دنیوی زندگی میں دو فرشتوں کراماً کاتبین نے مرتّب کیا تھا۔ آج دنیا میں ہر انسان پر اس کے داہنے بائیں کندھوں پر دو فرشتے متعین ہیں، ایک نیکی لکھتا ہے اور دوسرا بدی۔ اِس طرح ہر انسان کا اعمالنامہ مرتب ہو رہا ہے اور اُسے خبر بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ ارشادِ باری ہے:۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ (سورہ ۳۶ رکوع ۱)

"اور ہم (یعنی ہمارے فرشتے) ہر عمل کو لکھ رہے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیج رہے ہیں اور دنیا میں کیا آثار چھوڑ رہے ہیں"

ایسے مومن جنہوں نے نیک اعمال کئے، آخرت کی تیاری کی اور دنیا میں اپنے نقوش قدم چھوڑے، ان کو داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ یہ علامت اس بات کی ہوگی کہ یہ مومن اور جنّتی ہیں، اور کافروں کو اُن کا نامۂ اعمال پشت کی جانب سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے تمام انسانوں کو انکے اعمالنامے دے کر کہیں گے:۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

(سورہ ۱۷ رکوع ۲)

"اپنا نامۂ اعمال (خود) پڑھ لے، آج تو خود اپنا حساب لینے میں کافی ہے"

خود دیکھ لے اور سمجھ لے کہ دنیا سے کون سے اور کیسے اعمال کما کر لایا ہے اور اب

اِنسان کا اعترافِ جُرم

خود کردہ را علاجے نیست، ہر شخص کا عمل یا اس کی کمائی اس کے سامنے آجائیگی اور گنہگار و مجرم بصد حسرت و یاس کہیں گے :-

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ (سورہ ۱۸ رکوع ۶)

"اِس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ اس میں درج کئے بغیر نہ کوئی چھوٹا جُرم و گناہ چھوڑا گیا اور نہ کوئی بڑا جُرم و گناہ (اس میں ہر عمل درج ہے) اور جو کچھ بھی اُنہوں نے کیا ہے، وہ سب لکھا ہوا موجود پائیں گے۔"

کاش آج دنیا میں ہم اِس حقیقت پر ایمان لائیں یعنی اس بات کا یقین کریں کہ ہمارا کوئی اچھا یا بُرا اور چھوٹا یا بڑا عمل ضائع نہیں جا رہا بلکہ وہ لکھا جا رہا ہے، ہمارا کوئی عمل اچھا یا بُرا نتیجہ پیدا کئے بغیر نہیں رہے گا۔ یہ احساس و یقین اخلاقی زندگی کی جان اور اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔

قرآن بار بار ہمیں اس یقین و ایمان اور اصلاحِ عمل کی دعوت دے رہا ہے کیا ہم اِس دعوت و پکار کو سنیں گے؟

اعمال کا وزن کیا جائے گا

اس بات پر بھی ایمان رکھنا چاہئے کہ حشر کے دن اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اس وزن کی حقیقت و کیفیت اللہ پر چھوڑ دینی چاہئے اور اس کے الفاظ و معانی پر ایمان لانا چاہئے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:-

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ج فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○

(سورہ ۷ رکوع ۱)

"اور اُس روز وزن بھی واقع ہوگا، پھر جس شخص کا پلّہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جس شخص کا پلّہ ہلکا ہوگا سو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان خود کر لیا۔ اس سبب سے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔"

اِس کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حسنات غالب ہوئے یعنی نیکیاں زیادہ ہوئیں تو جنّت ملے گی اور اگر سیئات یعنی بدیاں زیادہ ہوئیں تو جہنم میں جانا پڑے گا اور اگر نیکیاں و بدیاں دونوں برابر برابر ہوئیں تو اعراف میں ٹھکانا ہوگا۔

رائی کے دانے برابر بھی کوئی عمل نہیں چھوڑا جائے گا، اُس کا بھی حساب اور وزن ہوگا۔ مسلم شریف کی حدیث ہے:۔

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ حَتّٰی یُسْئَلُ عَنْ خَمْسٍ

یعنی کسی آدم کے بیٹے کے قدم عدالتِ الٰہی سے ہٹ نہیں سکتے جب تک اس سے پانچ باتوں کا سوال نہ کیا جائے:۔

(۱) عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ عمر کے متعلق سوال ہوگا۔ تم نے عمر کس طرح اور کن کاموں میں بسر کی۔ عبادت میں یا بغاوت میں؟

(۲) عَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ جوانی کے متعلق سوال ہوگا یہ جوانی نیکی میں بسر کی یا بدی میں گنوائی؟

(۳) عَنْ مَّالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ مال کے متعلق سوال ہوگا۔ مال کہاں سے اور کیسے کمایا؟ جائز وحلال طریقے سے یا ناجائز وحرام طریقے سے؟

(۴) چوتھا سوال ہوگا فِیْمَا اَنْفَقَہٗ مال کماکر اس کو کن کاموں میں خرچ کیا؟

(۵) وَمَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ پانچواں سوال ہوگا، اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟

سمجھنا چاہئے ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔

نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں، کوئی ان کو قیامت تک بھی شمار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر سانس نعمت ہے، سب سے بڑی نعمت زندگی ہے، دوسری بہت ہی بڑی نعمت اسلام ہے، پھر صحت ہے، دولت ہے، توانائی ہے، ذہنی صلاحیتیں اور عملی قوتیں ہیں، بیوی ہے اور اولاد ہے۔ یہ سب اللہ کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔ اِن کے متعلق سوال ہوگا:۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

"پھر تم نعمتوں کے متعلق پوچھے جاؤ گے"

اِن نعمتوں کی قدر و قیمت جانی، اُن کی قدر کی یا ناقدری؟ ان کو احکامِ شریعت کے مطابق خرچ کیا یا خواہشِ نفس کے مطابق؟ اور برمحل یا بے محل؟ وغیرہ وغیرہ۔

شفاعتِ کُبریٰ

ابھی حساب و کتاب شروع نہ ہوگا۔ اہلِ حشر سخت پریشان و مضطرب ہوں گے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر اولوالعزم نبی کے پاس جائیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے۔ مگر کسی کو بھی

بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کی ہمّت وجرأت نہ ہوگی، سب اپنی اپنی لغزشوں کا ذکر اور عذر کریں گے بالآخر سیّد الانبیاء، رحمتِ عالم شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے۔

فوراً آپ کا دریائے رحمت جوش میں آجائے گا۔ مقامِ محمود میں پہنچ کر آپ سربسجود ہوجائیں گے اور عرض کریں گے بارِ الٰہا! یہ تیرے بندے ہیں، سخت مصیبت وپریشانی میں ہیں، اِن کا حساب لے۔ ارشادِ الٰہی ہوگا۔ سر اٹھایئے آپ جو سوال بھی کرینگے ہم اُسے قبول کریں گے۔ جس کی سفارش کریں گے اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

آپؐ اوّلین وآخرین سب ہی کے لئے سفارش کرینگے۔ اسی لئے اس کو کہتے ہیں شفاعتِ کبریٰ۔

کفار ومشرکین سے سوال ہوگا تم نے کفر وشرک کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ جبکہ ہم نے تمہیں عقل دی اور اپنے نبیوں اور کتابوں کو بھی بھیجا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں آیا۔ یعنی جھوٹ بولیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔

اُمّتِ مُسلمہ کی گواہی

ان کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے امتِ مسلمہ پیش ہوگی۔ اُمت کہہ دے گی

یہ جھوٹے ہیں اُن کے پاس بھی رسول اور کتابیں آئیں اور تیرے موحد بندوں نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں اِن تک توحید کی آواز پہنچائی، مگر یہ پھر بھی کفر و شرک سے باز نہ آئے۔ اِس بارے میں اُمتِ مسلمہ کی قرآن نے یہ شان بتلائی ہے:۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ۔

(سورہ ۲ رکوع ۱۶)

"اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنایا ہے جو (ہر پہلو سے) اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔"

الغرض کفار و مشرکین پر ہر طرح اُن کا جرمِ کفر و شرک ثابت کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

مؤمنوں سے ۲ قسم کے سوالات ہوں گے

پہلا سوال حقوق اللہ کے متعلق ہوگا کہ تم نے حقوق اللہ کو سمجھا اور ان کو صحیح طور پر ادا کیا یا نہیں؟

یعنی ٹھیک طور پر عبادت کا حق ادا کیا؟ توحید کو سمجھ کر اُس پر قائم رہے

اور شرک سے اجتناب کرتے رہے، پھر نماز کے متعلق سوال ہوگا۔ نماز کو قائم رکھا یا اس کو ضائع کیا؟

اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت و مغفرت سے معاف کر دینگے۔ وہ بڑا ذرّہ نواز اور مہربان ہے، لیکن حقوق العباد کا حساب بڑا سخت ہوگا۔ ماں باپ کے حقوق ہیں، بیوی بچوں کے حقوق ہیں، خویش و اقارب اور پڑوسیوں کے حقوق ہیں اور عام انسانوں کے حقوق ہیں۔ ان سب کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ ان کو قرآن و حدیث اور فقہ نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے ؎

ہو حساب ذرّہ ذرّہ حشر کے میدان میں

اِن حقوق کی ادائیگی کا نام ہی اسلامی زندگی، دینداری اور بزرگی ہے۔ اسی میں روحانیت و اخلاق کی ترقی ہے اور اسی سے ایک سچے مسلمان کو دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ اگر ان کی ادائیگی میں کمی، کوتاہی اور غفلت ہوئی ہوگی تو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ قرآن و حدیث نے اِس بارے میں سخت وعیدیں سنائی ہیں اسلئے مسلمانوں کو حقوق العباد کی ادائیگی کا بہت زیادہ فکر و خیال رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قسم کے حقوق کی پوری اور صحیح توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قاضی زین العابدین دہلوی (پاکستانی)، پنکھا لین ۳/۲ مجاہد لین، کراچی

(مشہور آفسٹ پریس کراچی)